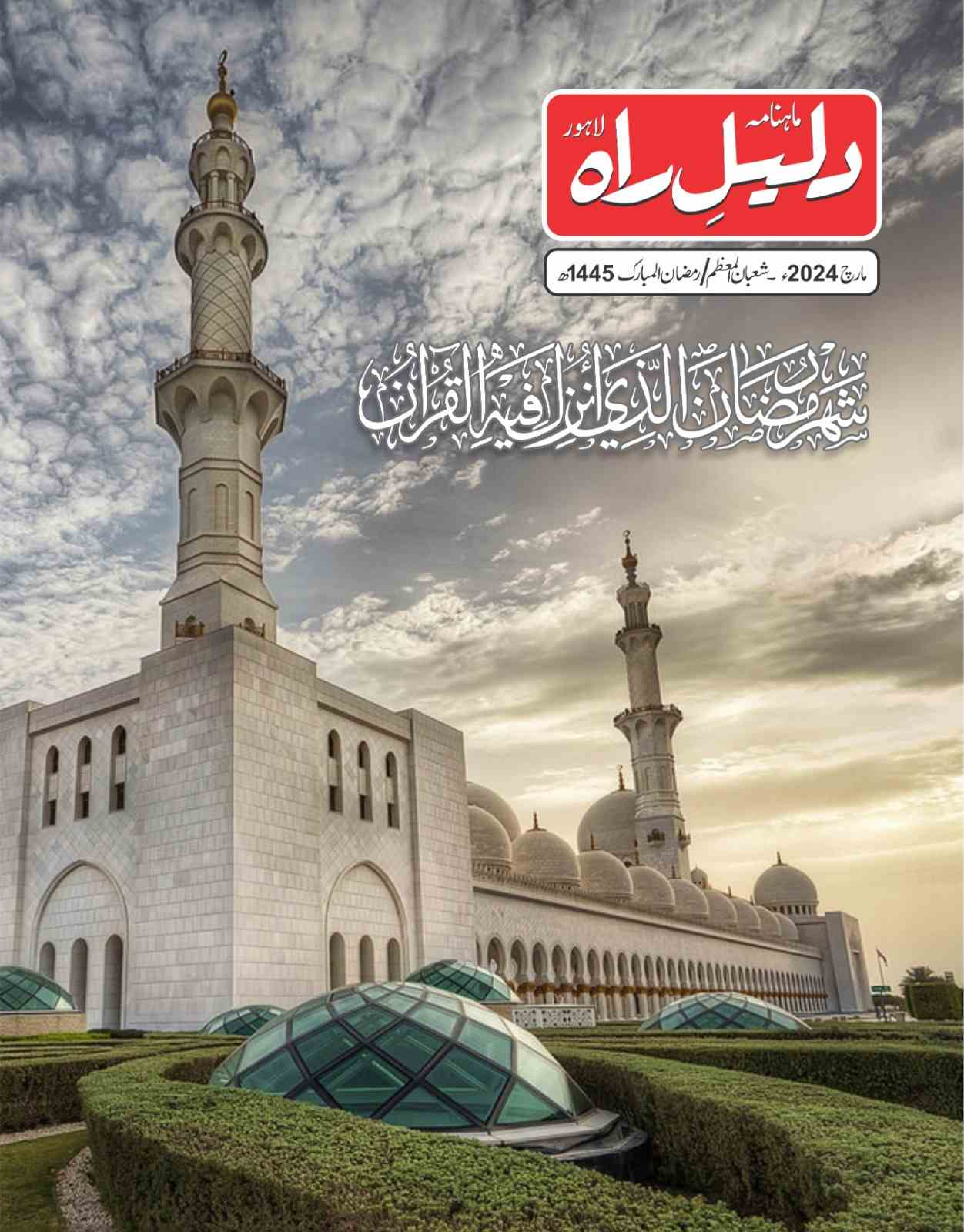
ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور
مارچ 2024ء ۔ شعبان المعظم/رمضان المبارک 1445ھ
شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن

CPL.No:406 اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 03 | مارچ 2024ء | جلد 32

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

مشیر ادارت
ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز
- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف • شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین
- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ
30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ
500 روپے

جاز کیش، ایزی پیسہ
0323-8400651

بیرون ملک سالانہ
200 ڈالر، 100 پونڈز

ہر چہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	عزیز حاصل پوری	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	7
4	درسِ حدیث	حافظ سخی احمد خان	9
5	خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا کے فضائل و مناقب	محبوب الرسول قادری	11
6	مناقب سیدہ بتول و امام حسن المجتبیٰ علیہم السلام	پیر سید خضر حسین چشتی	17
7	ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا	ذیشان کلیم معصومی	18
8	ٹیپو سلطان کی تاریخ	ڈاکٹر محمد اظہر نعیم	20
9	ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	ڈاکٹر منظور حسین اختر	23
10	اولیائے دہلی	محمد امین شرقپوری	29
11	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کیسے گزارا	علامہ محمد ارشد	31
12	زندگی اور اخلاقی رویے	آصف بلال آصف	33
13	کرکٹ تماش بینی یا وقت کا ضیاع	ماسٹر احسان الٰہی	36
14	وقفوھم انھم مسئولون	محمد صدیق	38

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 042-35838038, 0322-4301986
ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید، راولپنڈی فون: 051-4831112
E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

حسنِ محمد ﷺ

نسیم صبح آئی ، رقص کرتی ، جھومتی آئی!
یقیناً آج کوئے یار سے ہوتی ہوئی آئی

ادھر وہ نیرِّ اسلام چمکا ، روشنی آئی
ادھر شامت یکا یک ظلمتِ الحاد کی آئی

محمد (ﷺ) اولین و آخریں ہیں ایک پیغمبر
چلی تھی آپ سے اور آپ تک پیغمبری آئی

نبوت آپ کے در تک ازل سے دوڑتی آئی
ابد تک یوں ملا موقع اسے آرام کرنے کا

تمہارے ہی لیے آقا ہوئے دونوں جہاں پیدا
تمہارے ہی لیے دونوں جہاں کی سروری آئی

خدا نے وہ مقامِ سروری بخشا محمد ﷺ کو
سرافگندہ جہاں دارائی و اسکندری آئی

دمِ نظارۂ عشقِ محمد ﷺ ، مثلِ آئینہ
نظر اہل نظر کو حیرت نظّارگی آئی

رہی چشمِ تکلف آشنا محرومِ نظارہ
اور ان کا دیکھ کر جلوہ نظر کی سادگی آئی

جو خود آگاہ ہوتا ہے ، خدا آگاہ ہوتا ہے
خدا کی معرفت آئی ، جسے خود آگہی آئی

تمہاری یاد میں جو لمحہ گزرا یا رسول اللہ ﷺ
نچھاور اس پہ ہونے کو حیات سرمدی آئی

پھرا خالی تمہارے آستاں سے کب کوئی سائل
درِ اقدس پہ جو پھیلی وہی جھولی بھری آئی

ہوئے تقسیم جب روزِ ازل انعامِ گوناگوں
مری قسمت میں آقا آپ ﷺ کے غم کی خوشی آئی

عزیز اکثر مدینے جا نکلتا ہوں تصور میں
مقدر میں وہاں کی غائبانہ حاضری آئی

عزیز حاصل پوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زندہ رہنے کی اک یہی تدبیر ہے

’’کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہوتا ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو ترک کر دے‘‘۔

یہ حسین قول ہے رسول حسن ﷺ کا، اس لیے آؤ اپنے اپنے اسلام میں حسن پیدا کرتے ہیں اور ان باتوں کو ترک کرتے ہیں جو لایعنی ہیں۔ مقصدیت کے حسن سے خالی ہیں اور سنجیدگی کے نور سے محروم ہیں۔ جمال وقت کو داغدار کرنے والی ہیں۔ سوچنے، سمجھنے، عمل کرنے، زندگی کو نتیجہ خیز بنانے سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

یاد رکھو کہ بامعنیٰ زندگی، لایعنی افعال اور اعمال کے اندھیاروں سے ہمیشہ پاک ہوتی ہے، موتی کی طرح شفاف، سورج کی طرح روشن، شہد کی طرح میٹھی، آسمان کی طرح اونچی، کہکشاں کی طرح مربوط، گلاب کی طرح مہکتی، دریاؤں کی طرح جاری، سمندروں کی طرح گہری، ستاروں کی طرح چمکتی، نگینوں کی طرح دمکتی، بادنسیم کی طرح تازہ، زمستانی ہواؤں کی طرح خوشگوار، برف کی طرح حسین، صحراؤں کی طرح کشادہ، پہاڑوں کی طرح جواں ہمت، وادیوں کی طرح پرسکون، حالات بدل، زمانہ گیر، عالم پرور، انقلاب آفرین، شیطان شکن، سستی سوز، رواں دواں، پیہم جاوداں، مجذوب و عمرمست، گرہ کشا، بخت در دست۔۔۔۔

یہ ہے تصور مومنانہ زندگی کا اور مومنانہ زندگی ہی حسین زندگی ہے اور حسین زندگی ہی دراصل زندگی ہے۔ گویا زندگی وہی ہے جس میں حسن ہو اور حسن وہی ہے جس میں اسلام ہو اور اسلام وہی ہے جس میں حسن ہو اور حسن وہی ہے جو ہمہ رنگ بھی ہو، یک رنگ بھی، تضاد کی حکمت بھی رکھتا ہو، اتحاد کی برکت بھی، ہمہ جہت بھی ہو اور جہتوں سے پاک بھی، ظاہر بھی ہو اور باطن بھی، اول بھی ہو اور آخر بھی، سر بھی ہو اور نہاں بھی، پوشیدہ بھی ہو اور اعلان بھی، آواز بھی ہو اور لبیک بھی، نمونہ بھی ہو اور عمل بھی، نرم اور شبنمی لفظوں میں حسن باطن ہو تو خدا ہے

ظاہر ہوتو مصطفیٰ ﷺ، بے رنگ ہوتو الٰہ ہے، ہمہ رنگ ہوتو مصطفیٰ ﷺ ہے، بے جہت ہوتو اللہ ہے، ہمہ جہت ہوتو مصطفیٰ ﷺ ہے گویا حسن یا الٰہ ہے یا مصطفیٰ ﷺ اور اسلام کامل اس وقت ہوتا ہے جب اس میں حسن ہو یعنی وہ با معنیٰ ہو۔

مسلمانو!

لایعنی چیزوں کو ترک کردو تا کہ تمہارا اسلام حسین ہو جائے

با خدا ہو جاؤ

با مصطفی ہو جاؤ

لایعنی نہ ہو معنی یہ کہ ایسی زندگی کے حامل ہو جاؤ جس میں محض خدا ہو محض مصطفیٰ ﷺ ہوں۔

زندگی تمہیں آواز دیتی ہے، تم سے سوال کرتی ہے، تم سے پوچھتی ہے، جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر، ڈانٹ ڈانٹ کر، ڈپٹ ڈپٹ کر، حاکم کی طرح، مقتدر کی مانند، فرماں رواں کی مثل اور کبھی وہ بے چارہ لبادۂ مسکنت پہن کر تم سے سوال کرتی ہے۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر، بچھ بچھ کر، جھک جھک کہ، فقیروں کی طرح، گداؤں کی مانند، لٹے پٹے مسافروں کی مثل، میرے محبوب! میرے شہ والا! میری جان! میں زندگی ہوں، زندگی کشکول گدا نہیں کہ تو اسے خالی رکھے۔۔۔۔جامہ فقیر نہیں کہ تو اسے حقیر جانے۔۔۔۔خاک راہ نہیں کہ تو اسے روند ڈالے اور غریب شہر بھی نہیں کہ تو اسے دھتکار دے۔ میں تیری زندگی ہوں زندگی۔۔۔۔مجھے رائیگاں نہ کر پیارے! دنیا کی ہر متاع کھو جائے تو پھر میسر آسکتی ہے لیکن میں وہ گوہر ہوں جس سے کسی کو ایک ہی بار نوازا جاتا ہے۔ اس لیے مجھے لایعنی مشاغل میں ضائع نہ کر۔۔۔۔مجھے حسین بنا۔۔۔۔آراستہ کر۔۔۔۔پیراستہ رکھ یعنی۔۔۔۔با خدا بنا با مصطفیٰ ﷺ بنا۔

صاحبو!

جس بدن کو تم سجا سجا کر رکھتے ہو۔۔۔۔جس پر تم زرق برق لباسوں کے غلاف چڑھاتے ہو۔۔۔۔جن سروں کو تم پیچ در پیچ عماموں سے مزین کرتے ہو۔۔۔۔جس رخ رونق کی زیب و زینت پر تم سینکڑوں خواہشیں لٹاتے ہو۔۔۔۔جن آنکھوں کو تم سرگیں و جذب گیں رکھنے کے اہتمام کرتے ہو۔۔۔۔جس ماتھے کو تم پر کشش بنانے کے لیے جھومر سجاتے ہو۔۔۔۔کبھی سوچا ان کی سب رونقیں زندگی سے ہیں۔۔۔۔زندگی نہ ہو تو پھر آنکھ نہیں مٹی کا ڈھیلا ہے۔۔۔۔ماتھا نہیں لکڑی کی تختی ہے۔۔۔۔سر نہیں لخت سنگ ہے۔۔۔۔بدن نہیں، بوسیدہ ہڈیوں کا پنجر ہے اس لیے بناتے ہی ہو، سنوارتے ہی ہو اور زیب و زینت کے مشتاق ہی ہو، تو زندگی کو سنوارو۔۔۔۔اس کا میک اپ کرو۔۔۔۔اسے مزین کرو اور یاد رکھو کہ زندگی نہیں بنتی۔۔۔۔زندگی نہیں سنورتی۔۔۔۔زندگی نہیں آراستہ ہوتی اور زندگی کا چہرہ حسن کے غازہ سے نہیں چمکتا، بجز اس کے اسے اسلام کا غسل دو۔۔۔۔اسے اسلام کے رنگ میں رنگو اور اسے اسلام کے آب صافی سے دھو، پیارو! اسے ضائع نہ کرو۔۔۔۔اسے بے کشش اور مجبور نہ رکھو۔۔۔۔اسے بناؤ بناؤ، سلجھاؤ سلجھاؤ سلجھاؤ اور یہ فضول کاموں سے نہیں بنتی، نہیں سلجھتی، اس کے حسن کا راز اسی میں ہے کہ اسے با خدا بناؤ اور با مصطفیٰ ﷺ بناؤ۔

تسلیم کیا کہ تم نے بہت کچھ بنایا۔۔۔۔فلک بوس عمارتیں۔۔۔۔فراٹے بھرتی گاڑی فضائیں۔۔۔۔چیرتے طیارے۔۔۔۔دنیائیں پھاندتے سیارے۔۔۔۔سمندر رفگار جہاز عالم سوز بم۔۔۔۔جہاں ساز مشینیں۔۔۔۔کھلی کھلی

ریاستیں۔۔۔۔۔وسیع وسیع ملک۔۔۔۔۔بڑے بڑے صوبے اور طویل و عریض کشور لیکن سچ بتاؤ دھیان سے، ''کوئی ایک انسان بھی بنایا''۔۔۔۔۔

حسینو! مہ جبینو!

زندگی تم سے شکوہ کرتی ہے کہ تم زندہ رہنے کی خواہش تو رکھتے ہو لیکن زندگی کو ختم کرنے کے در پے ہو۔۔۔۔تم نے زندگی لوٹنے والے وردی پوش پال رکھے ہیں۔۔۔۔۔تم نے زندگی بکھیرنے والے کارخانے بنا رکھے ہیں۔۔۔۔۔تم نے زندگی کی عصمت دری کرنے والے غنڈوں کی حوصلہ افزائی کرنے والے مرکز قائم کر لیے ہیں۔۔۔۔۔تمہارے ہاں فسق و فجور کی سندیں ملتی ہیں اور پھر افسوس یہ کہ تم اس سارے کالے کاروبار کا نام رکھتے ہو دین، تہذیب، تمدن، کلچر اور حب الوطنی۔

زندگی تم سے پناہ چاہتی ہے۔۔۔۔۔زندگی تم سے امان مانگتی ہے۔ زندگی تمہیں زندہ رکھنا چاہتی ہے تم اس کے قتل پر تلے بیٹھے ہو۔۔۔۔۔یہ بے چاری مجبور کہاں پناہ لے۔۔۔۔۔کسے بلائے۔۔۔۔۔کس کو صدا دے۔۔۔۔۔کدھر دوڑے اور کدھر بھاگے، بس رحمتوں کا مامن ایک ہی ہے جہاں انسانیت سلامت ہے اور زندگی کی قدر کی جاتی ہے اور وہ ہے اسلام۔ یقیناً یہی وجہ ہے کہ زندگی اسلام ہی کا طواف کرتی ہے اس لیے کہ سلامتی اسلام ہی میں ہے اور سلامتی کے اصل قاسم مصطفیٰ ﷺ ہی ہیں۔ اس لیے تمہارا بھلا ہو۔

با خدا ہو جاؤ

با مصطفیٰ ہو جاؤ

دوستو! یہی وہ نگر ہے جہاں زندگی ضائع کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ والعصر یہ سب باتیں سچی ہیں۔۔۔۔۔یہ سب باتیں پختہ ہیں اور یہ سب باتیں عبرت ہیں۔

''غور کو لو''

آؤ ایک بات پوچھوں؟

کبھی قبرستان دیکھے؟

کبھی مٹی کے ڈھیروں کی یہ دنیا دیکھنے کا اتفاق ہوا؟

کبھی گزرتے ہوئے اونٹ کی کوہان کی طرح خاکی ڈھیریاں دیکھیں؟

پیارو!

یہ بچوں کے کھیل کے میدان نہیں

یہ نابالغ معصوموں کے ہاتھوں بنائے ہوئے گھروندے نہیں۔

مانا کہ تم سب کچھ سمجھتے ہو لیکن تمہاری سمجھ کی معراج یہ ہے کہ یہ مردستان ہیں۔۔۔۔۔

مرگ گاہیں اور قبر آباد ہیں لیکن اصل بات یہ نہیں کہ انہیں مردوں کا مسکن قرار دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تو زندوں کے مدفن ہیں۔ آج کے یہ زیر زمین لوگ کل سب زندہ تھے۔۔۔۔۔سب زندگی رکھتے تھے اور اس میں کیا حرج ہے کہہ دیا جائے کہ قبرستان زندوں کے نہیں زندگی کے مدفن ہوتے ہیں۔ قبل اس کے کہ کوئی تمہاری زندگی کو زیر زمین داب آئے۔۔۔۔۔تمہاری زیست

کے پرکٹ جائیں اور بے چاری المدد المدد کہنے کے قابل بھی نہ رہے، آج ہی اس موقع کو غنیمت جانو اور لگاؤ نعرہ حیدری اور سنبھل جاؤ اور سنبھال لو زندگی کو اور قابو میں رکھو حیات مستعار کے ایک ایک لمحہ کو اور مستعدی سے اپنی زندگی کے ہر لحظہ میں اسلام کا نور چنو، وگرنہ تم خسارے میں چلے جاؤ گے۔

قرآن ہمیں یہی سکھلاتا ہے:

وَالْعَصْرِ ۝١
''قسم زمانہ کی''۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝٢
''بے شک حق فراموش آدمی ضرور نقصان میں ہے''۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝٣
''سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں اور آپس میں ایک دوسرے کو حق پر چلنے کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے''۔

پیارو!

یہ ہے راز زندگی کا
ابلیس کی پیروی نہ کرو
با خدا ہو جاؤ با مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو جاؤ
زندہ رہنے کی اک یہی تدبیر ہے۔

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے۔ جس میں رموز ومعانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 197 تا 200 تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ
الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾
وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ
اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا
يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا
وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

''یہ متاع بہت تھوڑی سی ہے پھر ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ رہنے کے لیے بہت بری جگہ ہے۔ لیکن ایسے لوگ جو اپنے ربّ سے ڈرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں وہ لوگ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ان کی مہمانی ہے اور نیک لوگوں کے لیے اللہ کے پاس خیر ہی خیر ہے اور یقیناً بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف، وہ ڈرنے والے ہوتے ہیں، اللہ کے لیے سودے نہیں کرتے اللہ کی آیتوں کے حقیری پونجی پہ، ایسے لوگوں کا اجر ان کے ربّ کے پاس ہے یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے، اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں ثابت قدم رہو اور حفاظت دین کے لیے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو''۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

''یہ متاع بہت تھوڑی سی ہے پھر ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ رہنے کے لیے بہت بری جگہ ہے''۔

تفسیر وتعبیر

کافروں کا کروفر سے زندگی گزارنا، تجارت میں ان کا نفع کمانا اور مادی زندگی میں ان کے دھوکے اور اعزاز متاع قلیل ہے۔ علامہ فخر الدین رازی نے یہ درست لکھا ہے کہ دنیا کی نعمتیں آفات اور حسرتوں سے ملی جلی ہوتی ہیں یقیناً انہوں نے ختم بھی ہو جانا ہوتا ہے یقیناً اس اعتبار سے انہیں متاع عظیم نہیں متاع قلیل ہی کہا جا سکتا ہے (658)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے (659):

''دنیا کا نفع آخرت میں ایسے ہی ہوتا ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک اپنی انگلی دریا میں ڈالے اور پھر نکال کر دیکھے اس کی انگلی کیا لے کر دریا سے لوٹی''۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

''لیکن ایسے لوگ جو اپنے ربّ سے ڈرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں وہ لوگ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ان کی مہمانی ہے اور نیک لوگوں کے لیے اللہ کے پاس خیر ہی خیر ہے''۔

آیت کریمہ میں تقویٰ پر قائم عظیم المرتبت لوگوں کے لئے جمالیاتی جزائیں بیان کی گئیں ہیں۔ تقویٰ کا اشارہ ان امور کی طرف ہے:

- ☆ وہ جو اعتقاد میں اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت پر قائم ہوں
- ☆ وہ جو تدریجاً اور مسلسل جدوجہد پر عملی یقین رکھتے ہوں
- ☆ وہ جو حرام کاموں سے بچتے ہوں
- ☆ وہ جو جہاد کا مفہوم اچھی طرح جانتے ہوں
- ☆ وہ جو پنج تنی ایمان کے مبادیات سے آگاہ ہوں
- ☆ وہ جو احکام الٰہیہ پر کاربند ہوں
- ☆ وہ جن کی روحانی زندگی مضبوط ہو
- ☆ وہ جن کے دل میں اللہ سے خوف اور اللہ کے لیے خشیت موجود ہو۔

جنت میں مہمان نوازی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (660):

''جو شخص جنت میں داخل ہوگا اسے نعمتیں حاصل ہوں گی اور جنت میں اُسے کسی بھی قسم کی احتیاج نہ ہوگی اور نہ ہی اس کے کپڑے پرانے ہوں گے اور نہ ہی اس کی جوانی فناہ ہوگی''۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا (661):

''دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور قحط کی صعوبتیں لیے ہوتی ہے۔ مومن جب دنیا

سے جدا ہوتا ہے تو گویا اس کی جان زنداں اور قحط سالی سے چھوٹ جاتی ہے"۔

البحر المحیط میں یہ روایت موجود ہے (662):

"جنت میں ذرہ رکھنے کی جگہ بھی دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے بہتر ہوگی"۔

اللہ کی طرف سے مہمان نوازی مزے کا جملہ ہے۔ مفسرین نے لکھا کہ سب سے بڑی نعمت جو جنت کے مہمانوں کے حصے میں آئے گی وہ اللہ کے دیدار کا شرف ہے (663)۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (199)

"اور یقیناً بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف، وہ ڈرنے والے ہوتے ہیں، اللہ کے لیے سودے نہیں کرتے اللہ کی آیتوں کے حقیر سی پونجی پہ، ایسے لوگوں کا اجر ان کے ربّ کے پاس ہے یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے"۔

تفسیر صاوی میں آیت کا شان نزول یوں لکھا گیا ہے (664):

حبشہ کا بادشاہ نجاشی تھا اس کا حقیقی نام اصحمہ تھا جس کا معنیٰ اللہ کا عطیہ ہے۔ وہ رحمت عالم ﷺ پر بن دیکھے ایمان لے آیا۔ اس کے ایمان و اسلام نے اس کی رعایا پر اچھے اثرات مرتب کیے اُس کا جب وصال ہوا تو جبرائیل آئے اور رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھنے کی تیاری کی جا رہی ہے رسول اللہ ﷺ نے بھی صحابہ کو ایک کھلی جگہ جمع فرمایا۔ آپ کے سامنے سے حجاب مرفوع ہو گیا اور آپ ﷺ اور صحابہ نے نماز جنازہ پڑھی۔ منافقین نے فضول گوئی کی تو یہ آیت اتری اور نجاشی کے مسلمان ہونے کو مؤکد کیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب نجاشی فوت ہوئے تو ہم ان کے بارے میں کلام کرتے تھے کہ بے شک ان کی قبر پر نور دکھائی دے رہا ہے۔

لا یزال علی قبرہ نور

ملا علی قاری نے لکھا کہ یہ بات تخیلاتی نہیں بلکہ حقیقی تھی (665)۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن کثیر کی تفسیر اس سلسلہ میں پڑھی جا سکتی ہے (666)۔

اہل الکتاب مومنین اور ان کی صفات

قرآن مجید ایک اہم نکتہ آشکار کرتا ہے کہ قومیں ایک طرح واقع نہیں ہوتیں۔ جہاں تخریبی ذہنیتوں کا بھول متحرک ہوتا ہے وہاں اچھے لوگ بھی اُبھرتے ہیں۔ یہاں تھوڑے سہی لیکن ایمان لانے والے بعض اہل کتاب کا قرآن حکیم امتیازی اوصاف کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ یہ پنجگانہ اوصاف خاص توجہ مانگتے ہیں۔ قرآن حکیم کا رنگ بھی دیکھتے جائیں یہاں آپ کو کسی ضد اور تعصب کی کارفرمائی نظر نہیں آئے گی۔ جیسے جیسے کردار کی شفافیت ابھرے گی اعتراف و تسلیم کا رنگ میں گہرا نظر آنے لگ جائے گا۔

☆ **پہلا امتیازی وصف**

قرآن مجید کہتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ یہی وہ معنوی حقیقت ہے جو زندگی کی مخصوص خوشبوئیں اور روشنیاں ارزاں کر دیتی ہے۔ ایمان باللہ صرف نام کا مومن نہیں چھوڑتا بلکہ مکمل تسلیم، یقین، تصدیق، اقرار، احساس قبولیت اور روحانی عملیت کا جلوہ عطا کر دیتا ہے۔

☆ **دوسرا امتیازی وصف**

دوسرا وصف یہ ہے کہ وہ قرآن جو حضرت محمد ﷺ کے مبارک دل پر اترا اُسے ضمیر کی گہرائی اور دل کے خشوع کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔

☆ **تیسرا امتیازی وصف**

قرآن مجید ان کی معتدل اور متوازن طبیعت کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی آسمانی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بشارتیں موجود ہیں اور یہی چیز ان کے ہاں اسلام کے بارے میں یکسوئی کی وجہ بنی ہے۔

☆ **چوتھا امتیازی وصف**

تسلیم و رضا کے پیکر یہ حضرات چوتھی امتیازی صفت خشوع کی رکھتے ہیں۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ خشوع کا معنیٰ عجز اختیار کرنا، ڈرنا اور خود کو چھوٹا سمجھنا ہوتا ہے خوجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ خشوع اس خوف کو کہتے ہیں، جو اللہ کی طرف سے دلوں کو حاصل ہوتا ہے (667)۔

ابو حیان اندلسی کہتے ہیں کہ خشوع اور خضوع، تعاظم اور اشکبار کے منافی ہوتا ہے۔ تعاظم خود کو کو برا سمجھنا اور استکبار تکبر کرنے کو کہتے ہیں (668)۔

☆ **پانچواں امتیازی وصف**

ان کی پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی آیات کو آیات سمجھتے ہیں، انہیں معاشی دھاندلیوں کی نذر نہیں کرتے۔ رزیل مال کی ان کی زندگی میں کوئی قیمت نہیں ہوتی وہ مال کے عوض نبوی اوصاف کو چھپاتے نہیں جبکہ بعض لوگ تو مذہب کو تجارت بنا لیتے ہیں۔

دروازے تم سب اونچے بنالو
میں قدرے آدمی بڑے بناتا ہوں
آؤ خوشی سے گردن نیچی رکھ کر
کوئی عاجز ہو تو یار و جلوے میں دکھاتا ہوں
غم عشق کا کھانا تو نے ہے تو دعوت کر قبول
ایسے مستوں ہی کو تو رب رب میں کراتا ہوں
ترابی ہوں ترابی
مار کے پھونک مٹی اندر لاہوتی میں بناتا ہوں
چپ کر چپ کر کھینچ لے دم اپنے اندر
تو دل پہ نقش اللہ کا ذکر ایسے میں کراتا ہوں
لا الہ لا الہ کہتا تھا مرشد مرشد کہتا ہوں
خون کے آنسو روتا تھا خون کے اشک رلاتا ہوں
کہہ دیا تھا مرشد نے جدھر میں اُدھر تو
دشمن تیرے کو شاہ جی نسبت یاد کراتا ہوں
ولی ولی جہاں بھی ہو علی علی کرتا ہے
علی علی کرلو تم علی کا ورد کراتا ہوں

بقیہ: صفحہ نمبر 19 پر

مقامِ سیدہ علیہا السلام سب سے ارفع واقرب وافضل

حافظ سخی احمد

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ، فَقَالُوا: وَمَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالُوا: وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، حِبُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ، ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا "

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کرلی تو قریش اس کے معاملے میں بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کون گفتگو کرے؟ طے پایا کہ صرف حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق بات کرنے کی جرأت کرسکتے ہیں، چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق آپ سے سفارش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''(اے اسامہ!) کیا تم اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے متعلق سفارش کرتے ہو؟'' پھر آپ نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا اور فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کو اس امر نے تباہ کیا کہ جب ان میں سے کوئی دولت منداور معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کردیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر (میری لختِ جگر) فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی چوری کرے تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا''۔

جمادی الثانی آقائے کریم، جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لختِ جگر، پارۂ جان رسول سیدۂ کائنات علیہا السلام کا ماہِ ولادت ہے اسی لیے درج بالا فرمانِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فی الوقت زیر مطالعہ عنوان حضرت سیدہ طیبہ مخدومہ کائنات سلام اللہ علیہا کی بارگاہ کا ادب و احترام، ان کی عظمت وفضیلت اور بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اُن کے مقام قُرب کو سمجھنے کی سعی وکوشش ہے۔ اس مقصد کے لیے درج ذیل نکات قائم کیے جاتے ہیں:

1۔ بیان روایت میں احتیاط وادب
2۔ مقام سیدہ علیہا السلام سب سے ارفع واقرب وافضل
3۔ مقامِ سیدہ پاک علیہا السلام کو سب جانتے، سب مانتے
4۔ اہل بیت کی تربیت کا کڑا معیار

1۔ بیان روایت میں احتیاط وادب

آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لختِ جگر کے ذکرِ مبارک پر الفاظ وحروف وانداز ولہجہ کو ادب کے قرینوں میں خاک نشیں ہونا چاہیے کہ مسلک وشناخت اہلسنت تو ہمیشہ ہی سے ادب ہے۔ خاص طور سیدہ پاک علیہا السلام کے ذکر پر تو گردنیں جھک جانی چاہییں اور نگاہوں کو پیوستِ خاک رہنا چاہیے۔ امام احمد رضا خان فرماتے ہیں کہ سیدۂ کائنات علیہا السلام کے ذکر پر میرے بدن پر کیفیت رعشہ طاری رہتی ہے۔ اگرچہ بیان نفاذ حدود کو واضح کرنے کے لیے آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لختِ جگر کا نامِ نامی لیا مگر اس کا یہ ہرگز ہرگز مطلب نہیں کہ کوئی بھی شخص اسلام کے مزاجِ عدل کو بیان کرتے ہوئے روایت میں سیدہ وملکہ ومخدومہ کائنات وجنت کا ذکر سوقیانہ اور بے باکانہ انداز میں کرتا رہے۔ اُن کی بارگاہ تو ہر مثال سے بلندتر ہے مگر فقط تفہیم کی خاطر یوں سمجھ لیں کہ اگر کسی شیخ المشائخ اور استاذ الاساتذہ کو اُن کے شیخ واستاذ بات کو سمجھانے کے لیے اُن کا ذکر ایسی ہی کسی مثال میں کریں تو اُن کے مریدوں وعقیدت مندوں اور تلامذہ کا یہ ہرگز حق نہیں ہے کہ وہ اُس مثال کو اس انداز میں بیان کریں جس میں ادب واحترام نہ ہو۔

اسی لیے امام ابن حجر عسقلانی الشافعی فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اسی فرمانِ مُبارک کی شرح میں رقمطراز ہیں:

وَقد ذكر بن مَاجِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رُمْحٍ شَيْخِهِ فِي هَذَا الْحَدِيثِ سَمِعْتُ اللَّيْثَ يَقُولُ عَقِبَ هَذَا الْحَدِيثِ قَدْ أَعَاذَهَا اللَّهُ مِنْ أَنْ تَسْرِقَ وَكُلُّ مُسْلِمٍ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَقُولَ هَذَا وَوَقَعَ لِلشَّافِعِيِّ أَنَّهُ لَمَّا ذَكَرَ هَذَا الْحَدِيثَ قَالَ فَذَكَرَ عُضْوًا شَرِيفًا مِنِ امْرَأَةٍ شَرِيفَةٍ وَاسْتَحْسَنُوا ذَلِكَ مِنْهُ لِمَا فِيهِ مِنَ الْأَدَبِ الْبَالِغِ

''ابن ماجد اپنے شیخ محمد بن رمح سے اسی حدیث پاک کی بابت روایت کرتے ہیں کہ میں نے لیث سے سُنا کہ یقیناً اللہ رب العالمین نے اُنہیں چوری جیسے جرم سے اپنی پناہ میں رکھا اور ہر مسلمان کو بھی چاہیے کہ وہ ایسے ہی بیان کرے اور امام شافعی علیہ الرحمہ جب اس حدیث شریف کو بیان کرتے تو سیدۂ کائنات کا اسم مبارک لینے کی بجائے یوں بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاندان ہی ایک معزز ومحترم خاتون کا ذکر کیا اور ایسا ہی کرنا چاہیے کہ اس انداز میں کمالِ ادب ہے''۔

اسی بات ابو الفضل زین الدین عبد الرحیم العراقی اپنی تصنیف ''طرح التثریب فی شرح التقریب''میں درج ذیل الفاظ سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ بَعْدَ رِوَايَتِهِ لِهَذَا الْحَدِيثِ وَقَدْ أَعَاذَهَا اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ أَيْ حَفِظَهَا مِنَ الْوُقُوعِ فِي ذَلِكَ وَحَمَاهَا مِنْهُ إذْ هِيَ بَضْعَةٌ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذَا كَقَوْلِهِ تَعَالَى {وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ} [الحاقة: 44] إلَى آخِرِ الْآيَةِ وَهُوَ مَعْصُومٌ مِنْ ذَلِكَ وَقَدْ سَمِعْنَا أَشْيَاخَنَا رَحِمَهُمُ اللَّهُ عِنْدَ قِرَاءَةِ هَذَا الْحَدِيثِ يَقُولُونَ أَعَاذَهَا اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ وَبَلَغَنَا عَنِ الْإِمَامِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ

لَمْ يَنْطِقْ هَذَا اللَّفْظَ إِعْظَامًا لِفَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَإِجْلَالًا لِمَحَلِّهَا
وَإِنَّمَا قَالَ فَذَكَرَ عُضْوًا شَرِيفًا مِنْ امْرَأَةٍ شَرِيفَةٍ وَمَا أَحْسَنَ هَذَا

''لیث بن سعد علیہ الرحمہ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے کہ بلا شک وشبہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اس سے اپنی پناہ میں رکھا اور انہیں ہر ایسی بات سے محفوظ فرمایا کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کا ٹکڑا ہیں۔ یہ روایت اسی طرح ہے جیسے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا لیتے''۔ سیدہ پاک علیہا السلام ہر ایسی بات سے معصوم ہیں اور ہم نے اپنے شیوخ علیہم الرحمہ سے کو سنا کہ وہ اس روایت کی قرأت کے وقت یہی کہتے کہ اللہ رب العالمین نے اُنہیں ایسی ہر بات سے محفوظ رکھا ہے اور ہم تک امام شافعی علیہ الرحمہ سے بھی یہی بات پہنچی ہے کہ وہ سیدۂ کائنات کے ادب واحترام واجلال کی وجہ اُن کا اسم مبارک نہیں لیتے تھے بلکہ یہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت میں سے ایک معزز و محتشم ومحترم خاتون کا نام لیا۔ اور یہی طریقہ احسن بھی ہے''۔

لوگو! نگاہیں جھکا لو۔۔۔۔ مؤمنو! ادب کا پیراہن پہنا لو

مسلمانو! لہجوں میں فقیری ومسکنت وعاجزی اختیار کرو کہ یہ بارگاہِ سیدہ پاک علیہا السلام ہے

2۔ مقامِ سیدہ علیہا السلام سب سے ارفع واقرب وافضل

دوسرا اہم نکتہ اُس حکمت تک رسائی حاصل کرنا ہے کہ جس کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لختِ جگر کا ذکر فرمایا۔ اس کی وضاحت بھی فتح الباری میں ابن حجر عسقلانی نے فرمائی:

وَإِنَّمَا خَصَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ ابْنَتَهُ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهَا أَعَزُّ أَهْلِهِ عِنْدَهُ

''خصوصیت کے ساتھ اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ علیہا السلام کا ذکر اس لیے کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اہل میں سے وہ سب سے زیادہ محبوب تھیں''۔

اسی بات کو عمدۃ القاری میں علامہ بدر الدین عینی نے بھی بیان فرمایا اور اسی نتیجہ پر مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں ملا علی قاری پہنچے اور تحفۃ الاحوذی بشرح جامع ترمذی کے مؤلف بھی یہی کہتے ہیں کہ سیدہ پاک علیہا السلام کا اسم مقدس بیان کرنے کی دو وجوہات تھیں:

1۔ سیدہ پاک علیہا السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں

2۔ اقامتِ حد میں مبالغہ اور شدت مقصود تھی

اندازِ بیانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرمایا کہ سیدہ پاک علیہا السلام سے بڑھ کر آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کوئی اور اقرب وارفع وافضل نہیں ہے۔ میر درد دہلوی علیہ الرحمہ کی منطق نہایت جاندار اور شاندار ہے: جگر جگر است ، دگر دگر است

جو مقام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدنِ اطہر کے ٹکڑے کا ہے وہ مقام کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔

اسی لیے محبوب رب العالمین نے جب اپنے معبود ومسجود کے احکامات کے نفاذ و اقامت کا ذکر فرمایا تو شدت ومبالغہ کے لیے سب سے اقرب، سب سے ارفع، سب سے افضل، سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ عزیز اپنی لختِ جگر، اپنی نورِ نظر، اپنے جگر کے ٹکڑے، اپنی پارۂ جاں حضرت سیدہ پاک، اُمّ الحسنین سلام اللہ علیہا کا نام لیا۔ افضلیتِ سیدہ پاک علیہا السلام میں یہ فرمانِ مبارک حجت تامہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

3۔ مقامِ سیدہ پاک علیہا السلام کو سب جانتے، سب مانتے

زیرِ مطالعہ واقعہ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بارگاہِ رسالت مآب میں ملتجی ہوئے تو آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اقامتِ حدّ کو شدت سے بیان فرمایا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام جانتے اور مانتے تھے کہ مرتبہ ومقام میں کوئی بھی سیدہ پاک علیہا السلام کے برابر نہیں ہو سکتا اور نہ ذہنوں، سوچوں، خوابوں اور خیالوں میں یہ شبہ اور وہم رہ جاتا ہے کہ اگر فلاں ہوتا، یا پھر فلاں ہوتا۔۔۔۔۔ مگر نام سیدہ پاک علیہا السلام نے امکانات کی دُنیا محدود نہیں بلکہ بالکل ختم ہی کر دیا کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ اللہ کے پاک محبوب کسی کے بھی استقبال وتعظیم کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ یہ مقام وشان ومرتبہ وعزت تو صرف اور صرف مادرِ حسنین کریمین ہی کا مقدر ہے۔ اسی لیے جب سیدہ پاک علیہا السلام کا نام نامی آ گیا تو سب زبانیں خاموش ہو گئیں، سب ذہن ودل ودماغ مطمئن ہو گئے، کسی کو شک نہ رہا، سارے شبہات مٹ گئے، سارے سوالات ختم ہو گئے۔ اب اُس عورت کے ہاتھ کٹ بھی گئے مگر وہی قریش جو پہلے نہایت پریشان اور بے چین تھے وہ کچھ بھی نہ کہہ سکے کیونکہ سیدہ کائنات علیہا السلام کے اسم مقدس ومعطر ومعتبر آ جانے کے بعد اقامتِ حد کی اہمیت بھی واضح ہو گئی اور مقام وافضلیتِ سیدہ پاک علیہا السلام کا سب سے اقرار بھی ہو گیا۔

4۔ اہل بیت کی تربیت کا کڑا معیار

اگرچہ سیدہ پاک علیہا السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب وعزیز تھیں۔ مگر اس منصب کے ساتھ ساتھ ملکۂ جنت بھی ہیں اور کائنات کی تمام عورتوں کی مخدومہ اور سردار بھی ہیں۔ آپ ہی کے صاحبزادے نوجوانانِ جنت کے شہنشاہ ہیں۔ اسی لیے آپ کی تربیت کا منہج رسالت سب سے زیادہ کڑا اور سخت تھا۔ یہ اس لیے نہایت اہم اور ضروری تھا کہ سیدہ پاک علیہا السلام نے قیامت تک آنے والی اُمّت کی خواتین کے لیے مثال اور نمونہ بننا تھا اور انہی سے آلِ رسول سے سلسلہ قیامت تک جاری وساری رہنا تھا۔ اسی لیے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کام کی زیادتی کے باوجود خادمہ دینے کے بجائے اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا۔ مسلسل روزوں اور بھوک کے ساتھ زندگی گزارنے کی تربیت دی۔ سیدہ پاک علیہا السلام نے آزمائشوں کے ساتھ پُرکٹھن زندگی گزاری۔

تربیت کا یہی کٹھن معیار تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت وبندگی کی تلقین کرتے، خشیت رب العالمین کا درس دیتے اور زندگی کی آسائشوں سے انہیں دور رکھا۔ اس لیے بطور خاص تربیت کی خاطر بھی ایسے مواقع پر ذکر فرماتے۔ مقصود یہ ہوتا کہ کائنات کے سامنے، ماننے والوں اور نہ ماننے والوں سب کے سامنے اہل بیت اطہار کا وہ کردار اُبھر کر سامنے آئے کہ بدترین دشمن بھی عزت وعظمت کو قبول وتسلیم کیے بغیر نہ رہ سکے۔

حد ادراک بشر سے ماوراء ہیں فاطمہ
مصطفیٰ کے واسطے حق کی عطا ہیں فاطمہ
طعنۂ ابتر کو سن کر احمد مختار نے
جو خلوص دل سے مانگی وہ دعا ہیں فاطمہ
آفتاب دیں نبی ہیں ، ماہتاب دیں علی
اور ان دونوں چراغوں کی ضیا ہیں فاطمہ
مدح کرتا ہے خدا تعظیم کرتے ہیں رسول
دیکھیے قرآن و سنت میں کہ کیا ہیں فاطمہ
عالم امکاں میں ان سے ماسوا کوئی نہیں
ابتدا ہیں فاطمہ اور انتہا ہیں فاطمہ
مختصر تاریخ ہے یہ مذہب اسلام کی
احمد مرسل بنا ہیں اور بقا ہیں فاطمہ
نسل زہرا کے سبب باقی ہے نسل مصطفیٰ
سورۂ کوثر کا کامل معجزہ ہیں فاطمہ

خاتونِ جنت، حضرت سیّدہ
فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا
کے فضائل ومناقب

محبوب الرسول قادری

بنت رسول اللہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی سیرت وسوانح صبح قیامت تک نسوانی زندگی میں مینارہ نور ہے وہ مسلم خواتین کی آئیڈیل شخصیت ہیں۔ خاتونِ جنت ہیں، زہرا بتول ہیں آیئے ان کی سیرتِ طیبہ کے چند گوشوں سے آگاہی حاصل کریں۔

اسمِ گرامی

مخدومہ کائنات، بنت رسول کا اسم گرامی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) ہے کنیت اُمّ محمد اور القاب بتول، زہرا، عذرا اور سیدہ ہیں۔

معنیٰ ومفہوم

فاطمہ کا مصدر "فطم" ہے اور "فطم" قطع ہونے کو کہتے ہیں۔ حضور رحمت عالم، نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے آپ کو دوزخ سے منقطع فرمادیا۔ بعض کا قول ہے کہ خدا نے آپ کو اور آپ کی ذریت کو دوزخ سے آزاد فرمادیا۔

ولادت باسعادت

سیدہ رضی اللہ عنہا کے سن ولادت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت باسعادت اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے ہوئی جب کہ اکثر کا قول ہے کہ آپ کی ولادت بعثت نبوی کے ایک سال بعد ۲۰ جمادی الاخر میں ہوئی۔

زہرا

شیخ المحدثین عبدالرؤف مناوی (۹۵۲-۱۰۳۸) فرماتے ہیں کہ زہرا کا معنی کلی ہے سیدہ کا تعلق ذات رسول ﷺ سے ایسے ہے جیسے کلی کا تعلق پھول سے ہوتا ہے اسی لئے آپ کو "زہر المصطفیٰ" بھی کہا جاتا ہے۔

سرکار دوجہاں ﷺ کو سب سے پیارا کون؟

رحمت عالم ﷺ کو شہزادی کونین سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس حد تک محبت تھی کہ جب سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے اور جب واپس رونق افروز ہوتے تو مسجد میں دو نفل پڑھ کر سب سے پہلے سلطانہ فقر سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ہاں جلوہ فرما ہوتے۔

امام ترمذی نے لکھا ہے کہ جمیع بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی پھوپھی کے ہمراہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ پیارا کون تھا؟ آپ نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ دربار رسالت سجا تھا۔ مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ پوچھا۔ آقا ومولا ہمیں بتایئے کہ آپ کو سب سے زیادہ پیارا کون ہے؟ فرمایا! فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ عرض کیا گیا ان کے بعد فرمایا: زید بن حارثہ (منہ بولے بیٹے) عرض کیا گیا ان کے بعد فرمایا، علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے چچا کو تو سب سے آخر میں ڈال دیا۔ فرمایا کہ نہیں علی رضی اللہ عنہ آپ سے ہجرت میں سبقت لے گئے تھے۔ امام نسائی کی روایت ہے کہ رحمت عالم وعالمیان ﷺ نے فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہ "حور" ہیں۔

سیدہ بتول رضی اللہ عنہا، جگر گوشۂ رسول ﷺ

بخاری شریف (مناقب فاطمہ رضی اللہ عنہا) میں حضرت مسور بن مخرمہ راوی ہیں کہ حضور رسول خدا ﷺ نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ارشاد فرمایا:

فاطمہ بضعتہ منی فمن اغضبہا فقد اغضبنی۔

"فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو اسے ناراض کرتا ہے وہ مجھے ناراض کرتا ہے"۔

جن کے استقبال کو حبیب خدا ﷺ کھڑے ہوتے:

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آتیں تو حضور ﷺ کھڑے ہو جاتے، مرحبا کہتے، پیشانی پر بوسہ دیتے۔ اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے اور سیدہ بھی حضور ﷺ کے ساتھ یہی معمول رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور پوچھا ہم دونوں میں سے آپ کو زیادہ پیارا کون ہے؟ محبوب رب العالمین ﷺ نے زبان حق ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ مجھے فاطمہ سب سے زیادہ محبوب ہے اور اے علی! تم سب سے زیادہ عزیز ہو۔ امیر المومنین حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آپ کے والد گرامی ﷺ سے زیادہ ہمیں پوری مخلوق میں کوئی محبوب نہیں اور ان کے بعد آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں۔

جن سے محبت، محبت مصطفی ﷺ اور جن سے بغض، عداوتِ مصطفی ﷺ ٹھہرا:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور انور ﷺ نے مولا علی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ لزہرا رضی اللہ عنہا، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور شہزادۂ کونین امام حسین رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے دوست کا دوست ہوں اور تمہارے دشمن کا دشمن ہوں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا وہ ہیں کہ جن کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس کائنات کی تین بزرگ خواتین جنت سے تشریف لائیں۔ روض الشہداء میں مرقوم ہے کہ ان میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ حضرت سارہ تھیں دوسری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بنت عمران تھیں اور تیسری فرعون کی بیوی حضرت آسیہ تھیں۔

بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصود کائنات
خیر النساء حسین و حسن مصطفی علی

سیدہ بتول کا گریہ اور مسکراہٹ

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وصالِ مصطفی ﷺ کے تذکرے میں اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ تمام ازواج رسول ﷺ موجود تھیں کہ سیدہ فاطمہ

رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا، میری بیٹی فاطمہ، مرحبا، پھر اپنے پاس بٹھایا پھر کان میں سرگوشی فرمائی اور پھر سب نے دیکھا کہ سیدہ فاطمہ زاروقطار رونے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کا رنج ملاحظہ فرمایا تو فاطمہ کے کان میں دوبارہ کوئی بات ارشاد فرمائی جس سے سیدہ زہرا نے تبسم فرمایا: اب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خدمت اقدس سے اٹھتے ہی میں نے پوچھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں کیا ارشاد فرمایا تھا جس سے آپ رونے لگیں؟ تو مجھے جواب ملا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش نہیں کرسکتی وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک دن میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ''میں آپ کو اس حق کی قسم دیتی ہوں جو میرا حق آپ پر ہے۔ مجھے بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا سرگوشی فرمائی تھی؟ تو اس وقت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ پہلی بار فرمایا کہ جبریل ہمیشہ ایک مرتبہ اور اب کی بار دو مرتبہ قرآن حکیم کا دور کر گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اے میری بیٹی میرا قرب وصال ہے۔ بس بیٹی! اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا اور دوسری مرتبہ ترجمان رب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ! میرے بعد سب سے پہلے جنت میں تم ہی مجھ سے ملوگی اور دوسری روایت میں ہے کہ دوسری مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا! کیا تم خوش نہیں ہو؟ کہ تم جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ پہلی بات پر جدائی مصطفیٰ کی خبر پا کر رونے لگی اور پھر زیارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت کی بشارت کی نوید جانفزا سن کر میرے چہرے پر تبسم بکھر گیا۔ مسلم اور بخاری نے حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ''فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔''

مشکوٰۃ شریف میں یہ بھی ہے کہ ''جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو راحت پہنچائی اس نے مجھے راحت پہنچائی۔

عقدِ مبارک

پندرہ سال کی عمر میں آپ کا نکاح ہوا، سولہ، اٹھارہ اور اکیس سال عمر کے اقوال بھی روایات میں موجود ہیں۔

شیخ المحدثین امام عبدالرؤف المناوی اپنی کتاب ''اتحاف السائل بما لفاطمۃ من المناقب والفضائل'' میں رقم طراز ہیں کہ ''حضور اکرم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ:

ان اللہ امرنی ان ازوج فاطمہ من علی

''مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کردوں''۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور اکرم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے فاطمہ کی شادی دنیا اور آخرت کے سردار کے ساتھ کی ہے۔

سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کا جہیز

حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز میں ایک چادر، مشک، کھجور بھرا چرمی تکیہ دیا۔'' بخاری شریف میں مولا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

''رسولِ خدا نے شادی کے موقع پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک چادر کھجور کی چھال بھرا ایک چرمی تکیہ، دو چکیاں، ایک مشک اور دو گھڑے بھیجے۔''

اور حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ہمارے پاس گھر میں مینڈھے کی صرف ایک کھال تھی جس کے ایک گوشے پر ہم آرام کرتے تھے اور دوسرے گوشے پر فاطمہ آٹا گوندھتی تھیں۔

طبرانی میں فاطمہ بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کو علی رضی اللہ عنہ کے گھر بھیجا گیا تو ان کے ہاں بچھی ہوئی ریت، کھجور کی چھال بھرے تکیے، گھڑے اور کوزہ کے سوا کچھ نہ تھا۔

سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی گستاخی کرنے والا کافر ہے:

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ حضور انور نے فرمایا بضعۃ منی ---- ''میرے گوشت کا ٹکڑا'' چونکہ حضور سرکار مدینہ نے اپنے گوشت کا ٹکڑا فرمایا اور حضور کی گستاخی کفر ہے، تو اس سے لازم آتا ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی بے ادبی، گستاخی بھی کفر ہے۔ صاحب مواہب اللدنیہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے لہٰذا سیدہ سے بغض وعداوت رکھنا دین و دنیا میں نامرادی کا سبب ہے۔

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا

امام طبرانی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار مدینہ نے حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''تحقیق بے شک اللہ تعالیٰ نہ تم کو عذاب دے گا اور نہ ہی تمہاری اولاد میں سے کسی ایک کو عذاب دے گا''۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ خوب فرما گئے:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

چمنستانِ زہرا رضی اللہ عنہا کی عظمتِ لازوال

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک روز میں اپنی والدہ سے اجازت لے کر حضور رحمتِ عالم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نماز مغرب حضور کی اقتدا میں ادا کی پھر عشاء پڑھی اور جب رات کو حضور روانہ ہوئے تو میں چپکے چپکے آہستہ آہستہ پیچھے پیچھے چل پڑا۔ حتیٰ کہ راستے میں کوئی اجنبی ملا۔ حضور رک گئے میں بھی پیچھے رُک گیا۔ اجنبی سے بات کی اور حضور چل پڑے میں بھی چل پڑا۔ حضور انور نے میرے قدموں کی آہٹ سن لی اور پوچھا کون ہے؟ کیا حذیفہ ہو؟ ...... میں نے عرض کیا: یارسول اللہ واقعی میں حذیفہ ہی ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا تمہاری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری ماں کو بخش دے؟ پھر فرمایا کہ جس نے راستے میں میرے ساتھ ملاقات کی کیا تم نے اس اجنبی کو دیکھا میں نے عرض کیا: میں نے دیکھا۔ آپ نے فرمایا: یہ اجنبی اللہ کا فرشتہ تھا۔ جو آج سے پہلے کبھی بھی زمین پر نہیں اترا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کی اجازت سے صرف میری زیارت کے لئے آیا تھا اور میرے سلام کرنے کو آیا تھا۔ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ ''تحقیق فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور بے شک حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ تمام نوجوانان جنت کے سردار ہیں'' اسی لئے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ فرما گئے کہ:

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین و حسن پھول

سخاوت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر قرآن کی شہادت

تفسیر کبیر، مدارک اور نیشاپوری میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دونوں شہزادے حسن، حسین رضی اللہ عنہم علیل ہوئے۔ سیدہ زہرا، مولا علی اور کنیز فضہ سے منت مانی کہ خدائے علیم وخبیر شہزادوں کو کامل صحت عطا کرے تو ہم تین دن مسلسل رضائے رب کے لئے روزہ رکھیں گے۔ بچے صحت یاب ہو گئے اور تینوں

قدس مآب ہستیوں نے روزہ رکھ لیا۔ مولیٰ علی ؓ تین صاع آٹا ادھار لائے جس کے تین حصے کیے گئے۔ ایک حصہ پکا کر پانچ روٹیاں تیار کی گئیں تو عین وقت افطار سائل نے صدا لگائی کہ مسکین ہوں کھانا کھلایا جائے۔ مولا علی ؓ نے پانچوں روٹیاں مسکین کے حوالے کر دیں اور تینوں مقبولان بارگاہ ہستیوں نے پانی سے افطاری کر لی۔ دوسرے روز اسی وقت یتیم سائل نے سوال کیا اور پانچوں روٹیاں لے گیا اور تیسرے دن افطاری کے وقت ایک قیدی نے صدا لگائی اور پانچوں روٹیاں اسے دے دی گئیں...... بس یہ امتحان کی آخری کڑی تھی جس میں یہ برگزیدہ شخصیات کامیاب ہوئیں اور اس کی گواہی قرآن نے دی۔ جبریل دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ خدا کا سلام اور پیغام پہنچایا:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا
وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ
لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا إِنَّا
نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا

(سورۃ الدھر: آیت ۸،۹،۱۰)

اور کھانے کھلاتے ہیں۔ اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔ ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے لیے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکرگزاری نہیں مانگتے۔ بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہو۔"

(ترجمہ کنزالایمان)

یہ آیت مبارکہ حضرت مولا علی ؓ، سیدہ فاطمہ الزہرا ؓ اور آپ کی کنیز فضہ کی شان میں نازل ہوئی۔ سبحان اللہ! اقبال نے اسی لئے عرض کیا کہ!

مزرع تسلیم را حاصل بتول
مادراں را اسوہ کامل بتول

سخاوت اللہ کی بارگاہ میں اتنا پسندیدہ عمل ہے کہ اس کی پسندیدگی کی سند قرآنی آیات کی صورت میں دی جا رہی ہے۔ سیدہ کائنات کی زندگی مسلم خواتین کے لیے آئیڈیل ہونا چاہیے کیونکہ اسی میں ہماری نجات کا راز مضمر ہے۔

صداقتِ زہرا ؓ پر ام المومنین ؓ کی گواہی

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ:

ما رائیت احدا قط اصدق من فاطمہ۔

"میں نے فاطمہ سے بڑھ کر سچ بولنے والا دیکھا ہی نہیں"۔

سیدہ گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں

عالمی دعوت اسلامیہ کے مرکزی نائب امیر اور دورِ حاضر کے نامور محقق حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری اپنی مشہور زمانہ کتاب "شرح سلام رضا" میں رقم طراز ہیں کہ آپ (سیدہ) کے شوہر حضرت علی ؓ کے بارے میں بھی معلوم ہے کہ انہوں نے مال کا جمع کرنا اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا آپ فرمایا کرتے تھے: ہم پر زکوٰۃ کیسے لازم آئے گی ہم نے کبھی جمع ہونے ہی نہیں دیا۔ حضرت فاطمہ ؓ جب ان کے ہاں گئیں تو سارے کام اپنے ہاتھوں سے کرتیں۔ بچوں کی تربیت کے علاوہ چکی پیسنا، پانی لانا اور گھر کی صفائی ستھرائی کا کام خود کیا کرتیں۔ حضرت علی ؓ نے ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود ؓ سے کہا کہ تمہیں فاطمہ کے بارے میں آگاہ کرتا ہوں جو حضور کو سب سے محبوب ہیں میرے ہاں ان کا عالم یہ تھا:

فجرت بالرحی حتی اثرت بیدھا
واستقت بالقربۃ حتی اثرت فی نحرھا
و قمت البیت حتی اغبرت ثیابھا و
اوقدت القدر حتی دکنت ثیابھا و
صابھا من ذلۃ ضر

(ابوداؤد، کتاب الادب)

"چکی پیسنے سے ان کے ہاتھوں پر نشان، مشکیزہ اُٹھانے سے سینے، گھر کی صفائی اور ہانڈی روٹی سے کپڑوں پر نشان پڑ جاتے اور وہ بہت تکلیف اُٹھاتیں"۔

جب شہزادہ حسنِ مجتبیٰ ؓ کا قمیص اُتار کر سائل کو دے دیا

مخدومہ کائنات سیدہ فاطمہ الزہرا ؓ کے کاشانہ اقدس پر ایک عورت اپنے چھوٹے بچے کو اس حال میں اٹھا کر لائی کہ اس کے جسم پر انتہائی خستہ حال پھٹا پرانا قمیص تھا اس نے سوال کیا کہ میرے لخت جگر کے لیے شہزادوں کا کوئی قمیص عطا ہو جائے۔ سیدہ اٹھیں۔ اپنے نور عین سیدنا امام حسن مجتبیٰ ؓ کو سوتے سے جگایا، ان کا قمیص اُتارا اور سائلہ کو عطا کر کے مخدومہ کائنات، سلطانہ فقر سیدہ فاطمہ الزہرا ؓ نے اپنے نور چشم کو ایک پرانا قمیص پہنا دیا۔

ردائے زہرا ؓ سے صحابی کو غلہ اور بدو کو ایمان کی دولت مل گئی

ایک مفلوک الحال بدو کو حضرت سلمان فارسی ؓ آپ کے کاشانہ اقدس پر لائے کہ کھانے کو کچھ مل جائے...... حالات کچھ ایسے تھے کہ خود سیدہ کئی دنوں سے فاقہ سے تھیں لیکن سائل کو دیکھ کر بے چین ہو گئیں۔ گھر میں پڑی اکلوتی چادر اٹھائی اور حضرت سلمان فارسی ؓ کو عنایت فرمائی۔ ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ یہ چادر شمعون یہودی کو دے کر کہیں کہ یہ "ردائے زہرا" ہے اس کا جتنا غلہ بنتا ہے وہ بدو کو دے دو۔ یہ واقعہ جب شمعون یہودی نے سنا تو پکار اٹھا کہ جس محمد کی بیٹی اتنی سخی ہے کہ خود فاقے کے باوجود سوالی کو خالی دامن نہیں لوٹاتی۔ بخدا وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔ کلمہ پڑھ کر حضرت سلمان فارسی ؓ کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گیا بدو کو غلہ دیا۔ سیدہ کے گھر غلہ نذر کیا اور چادر مبارکہ واپس بھجوائی۔ اللہ اکبر مخدومہ کائنات کی سخاوت اور جذبہ ایثار کا اعجاز ملاحظہ فرمائیں کہ اس کے تصدق بھوکوں کو غلہ اور یہودیوں کو ایمان کی دولت نصیب ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ

منگتا خالی ہاتھ نہ لوٹے کتنی ملی خیرات نہ پوچھو

مزار رسول پر حاضری سیدہ کا معمول بن گیا

سیدہ فاطمہ الزہرا ؓ وصالِ نبوی کے بعد ہفتہ میں دو مرتبہ اور کم از کم ایک مرتبہ روضہ نبوی پر ضرور حاضر ہوتی تھیں اور مزار پر انوار پر جاروب کشی خود فرماتی تھیں۔ وصال مصطفی کے بعد کسی نے آپ کو ہنستے یا مسکراتے نہیں دیکھا۔ اسد الغابہ میں ہے کہ نبی کے وصال پاک کے بعد ساری زندگی سیدہ فاطمہ ؓ نے کبھی تبسم نہیں فرمایا۔

وصیت زہرا علیہا السلام

وقت وصال شہزادی مصطفی نے زانوئے مرتضیٰ پر سر انور رکھا ہوا تھا اور حیدر کرار ؓ سے وصیت کی اجازت طلب کی اور پھر ارشاد فرمایا: چار باتیں ہیں:

(ا) اگر میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو یا آپ پر میں نے کوئی زیادتی کی ہو تو خدا کے لیے مجھے معاف فرما دیجیے۔

(ب) میرے بچوں سے ہمیشہ شفقت فرمانا۔ ان کی دلداری کرنا ان سے پیار فرمانا اور ان کے سر پر دست محبت رکھنا۔

(د) قبرستان میں میرا جنازہ رات کے وقت لے جانا اس لیے کہ میری زندگی میں کسی نامحرم نے میرے قد و قامت کو نہیں دیکھا۔ اب بعد از وصال بھی میری خواہش ہے کہ مجھے کوئی دوسرا نہ دیکھے۔

(ج) مجھے بھول نہ جانا اور میری قبر پر تشریف لاتے رہنا اور دعائے خیر فرماتے رہنا۔

جب مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ آپ کی وصیت سماعت فرما چکے تو حیدر کرار کی آنکھوں میں آنسو رواں تھے اور آپ بھرائی ہوئی آواز میں فرما رہے تھے کہ "اے شہزادی رسول" حاشا اللہ" آپ نے کبھی مجھے کوئی تکلیف دی اور نہ ہی مجھے رنج پہنچایا۔ آپ نے کبھی میری دل آزاری نہیں فرمائی بلکہ ہمیشہ میری دلداری کی ہے۔ آپ نے کبھی مجھے مصائب میں نہیں ڈالا بلکہ ہمیشہ میری غمگساری کی ہے۔ آپ نے کبھی مجھے جفا نہیں دی بلکہ ہمیشہ وفاداری کی ہے گویا زہرا رضی اللہ عنہا آپ کانٹا نہیں بلکہ ایک پھول ہیں۔ میں آپ کی وصیتوں کو دل وجان سے قبول کرتا ہوں اور انشاء اللہ ان پر پورا پورا عمل کروں گا۔"

یہ خوبصورت باتیں اہل اسلام کے لیے ہر دور میں مشعل راہ رہی ہیں اور ہمارے موجودہ معاشرتی اور نظریاتی بگاڑ کا حل بھی انہی ارشادات عالیہ پر عمل میں مضمر ہے۔ یقیناً اولاد سے محبت شفقت پیار، دلداری اور اچھی تربیت نئے ماحول کو اصلاح احوال اور تزکیہ نفس کی دعوت دیتے ہیں سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا مولا علی رضی اللہ عنہ سے وقت وصال معافی طلب کر کے ہر دور کی خواتین کو اپنے خاوندوں کا تابع فرمان رہنے کی تلقین فرما رہی ہیں۔ جنازہ کو رات کے وقت اٹھانے کی وصیت اسلامی پردے کی معراج ہے جو موجودہ لچر ماحول کو شرم وحیا کی خیرات تقسیم کرتی نظر آتی ہے۔ قبر پر آتے جاتے رہنے کی وصیت اور دعائے خیر میں یاد رکھنے کی وصیت سے موجودہ دور کے نام نہاد جدید نظریات بھی دم توڑتے نظر آتے ہیں۔ مزارات پر حاضری کا نظریہ بنت رسول رضی اللہ عنہا کی آخری وصیت سے ثابت ہے تو اسے بدعت قرار دینا کھلی گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا کے مزار منور پر ہونے والی انوار وتجلیات کی بارش کو ہر لحہ مزید برکات عطا فرمائیں کہ سیدہ نے ملت اسلامیہ کے لیے اپنی آخری وصیت میں وحدت امت کا فارمولا پیش کر دیا۔ اور باطل عقائد کی بیخ کنی فرما دی۔

وصال باکمال، مزار پرانوار

سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ منگل کے روز وصال فرمایا آپ کا وصال حضور اکرم کے وصال شریف کے چھ ماہ بعد ہوا۔

(مدارج النبوت جلد ۲ ص ۴۶۱، زرقانی جلد ۳ ص ۲۰۰)

آپ کو رات کے اندھیرے میں دفن کیا گیا جنت البقیع کو مخدومہ کونین، شہزادی عفت وعصمت سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا اور امیر المومنین سیدنا مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کی بیٹیوں کو سیدہ کائنات کے اسوہ مقدسہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

اس بتول جگر پارہ مصطفیٰ
حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

ستر ہزار حوروں کے جھرمٹ میں پل صراط سے گزر

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یوم حشر جب سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی سواری کی آمد ہوگی تو منادی کرنے والا ندا کرے گا کہ "اے اہل محشر اپنی آنکھیں بند کر لو اور گردنیں جھکا دو کہ فاطمہ بنت محمد کی سواری پل صراط سے گزرنے والی ہے۔"

اور پھر بجلی کوندنے کی دیر میں ستر ہزار حوروں کے جھرمٹ میں سیدہ فاطمہ کی سواری پل صراط عبور کر جائے گی۔

فاطمہ علیہا السلام اَب بھی کربلا میں ہے

برصغیر کے نامور ادیب وخطیب آغا شورش کاشمیری جیسا حساس شخص بھی سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی مزار پر انوار پر حاضر ہو کر نجدی مظالم پر چپ نہ رہ سکا اس نے اپنے سفر نامہ حجاز مقدس "شب جائے کہ من بودم" میں حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مزار مبارک پر حاضری کے موقع پر اپنے رقت آمیز جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی بید لرزاں کی طرح
کانپنے لگا دل یوں ہو گیا جس طرح کنوئیں
میں خالی ڈول تھرا تا ہے۔"

داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ کے ایک کونے میں حضور کی پھوپھیاں عاتکہ رضی اللہ عنہا، صفیہ رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مزار ہیں آگے بڑھیں تو دائیں طرف تو امہات المومنین محو خواب ہیں ...... عائشہ رضی اللہ عنہا، سودہ رضی اللہ عنہا، زینب رضی اللہ عنہا، حفصہ رضی اللہ عنہا ام المساکین ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ کی روش پر حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، امام مالک رضی اللہ عنہ اور امام نافع رضی اللہ عنہ آسودہ خاک ہیں ان کے ایک طرف شہدا کے مزارات کا ٹکڑا ہے سامنے حضور کے فرزند ابراہیم کی لحد ہے ادھر ادھر عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، رقیہ بنت عثمان مظعون رضی اللہ عنہا، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، مالک الانصاری رضی اللہ عنہ، اسماعیل بن جعفر صادق کے مدفنوں کی ڈھیریاں ہیں آخری نکڑ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مزار ہے اس مزار سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے یہی ایک قبر ہے جو اس قبرستان میں درخت کے سائے تلے ہے باقی پورے قبرستان میں کوئی درخت پودا یا کیاری نہیں۔

امہات المومنین کے مزارات سے دس بارہ گز آگے ایک غیر کشیدہ مثلث ٹکڑی میں جو زیادہ سے زیادہ ۵۳ گز کی ہوگی، چھ ڈھیریاں ہیں ان پر کوئی نشان نہیں قبروں کی شکل ہے، سنگریزوں کا حاشیہ، سینہ پر کنکریاں، دائیں طرف بنت رسول رضی اللہ عنہا آرام فرما ہیں سامنے رسول کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک کی داہنی طرف امام حسن رضی اللہ عنہ، امام زین العابدین رضی اللہ عنہ، امام باقر رضی اللہ عنہ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ لیٹے ہیں یہ ساری جگہ مسجد نبوی میں واقع حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے بھی چھوٹی ہے اس کربلا میں چچا نگران ہیں، بچے ماں کی گود میں ہیں اور جو کربلا میں رہ گئے تھے ان کی جدائی کا حزن ماں کی قبر سے محسوس ہو رہا ہے۔ شوہر نجف اشرف میں اور باپ وہ سامنے کے بیچ میں چند مکان حائل ہیں دنیا والوں نے مرنے کے بعد بھی دیوار کھینچ دی ہے گنبد خضریٰ کو اس رخ سے دیکھیے سوگوار معلوم ہو رہا اور اس ویرانی کو ٹکر ٹکر دیکھ رہا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر جنبش سی ہے۔

گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست
"فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میرا جگر گوشہ ہے جس سے
اس کو دکھ پہنچے گا مجھے بھی اذیت ہوگی"۔
(ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

ماں کہتی ہے زین العابدین میرے لخت جگر کے مہ پارے! باپ کہاں رہ گیا؟ زین العابدین کہتے ہیں دادی اماں پھوپھی زینب رضی اللہ عنہا سے پوچھیں وہ لٹی پٹی بے کجاوہ اونٹ پر آرہی ہیں ابا کا سر نیزہ پر لٹک رہا ہے اور ۷۲ سر مشایعت کر رہے ہیں مدینہ میں کہرام بپا ہے بنو ہاشم کی عورتیں بنت عقیل بن ابی طالب کے جلو میں چلاتی ہوئی گھروں سے نکل آئی ہیں کہ محمد کا گھرانہ شام سے لٹ کر آرہا ہے وہ نوحہ کر رہی ہیں۔

کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے۔

"کہ اے وہ جو سب سے آخری امت ہو تم نے میری اولاد اور میرے خاندان سے میرے بعد کیا سلوک کیا! ان میں بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے ہوئے ہیں"۔

بنت رسول کی لحد کے سامنے، میں کوئی گھنٹہ بھر ساکت وصامت کھڑا رہا جیسے کوئی چیز گڑ گئی ہو اور اس میں زندگی کے آثار مطلقاً نہ رہے ہوں ملک عباس دیر تک دعائیں مانگتے رہے لیکن میں تھا کہ بے دست و پا کھڑا تھا جب محویت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہوش رہے نہ حواس جیسے کوئی آہ نارسا منجمد ہو چکی ہے یا آنسوؤں کی طغیانی رک گئی ہے تو عباس ملک نے مجھے گم سم پا کر کہا۔

آغا صاحب! فاتحہ پڑھیے!

میں پوری طرح ہل چکا تھا عباس نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا آغا صاحب؟ اور میں النقش کالحجر کی طرح تھا، انہوں نے جھنجھوڑا...... فاتحہ پڑھیے میں نے کہا ملک صاحب فاتحہ کس لیے؟ کیا انہیں ہمارے ہاتھوں کی احتیاج ہے ہم کیا اور ہماری دعائے مغفرت کیا؟ ہم تو خود ان کے محتاج ہیں ہماری مغفرتیں ان کی بدولت ہوں گی ملک صاحب حیران رہ گئے میں نے قبر سے ٹکٹکی باندھ رکھی تھی میں کہہ رہا تھا۔

فاطمہ (رضی اللہ عنہا) تو اب بھی کربلا ہی میں ہے تیرے باپ کا کلمہ پڑھنے والوں نے تجھے اب تک ستایا ہے تیری کہانی زخموں کی کہانی ہے تو نے باپ کے زخم دھوئے تھے کربلا میں تیری اولاد نے زخم کھائے، کوفہ میں تیرا شوہر امت کے زخم کھا کے واصل بحق ہو گیا تیرے ابا کی امت نے تیری اولاد کو ہمیشہ ستایا ہے آج چودہ صدیاں ہونے کو آئی ہیں تیری اولاد قبروں میں بھی ستائی جا رہی ہے پورا عرب تیری اولاد کی قتل گاہ ہے تیرے ابا نے کہا تھا۔

فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میری رحلت کے بعد جو مجھے سب سے پہلے ملے گا وہ تو ہو گی تو ان کے پاس چلی گئی محمد کا گھرانا اب بھی کربلا میں پڑا ہے جو لشکر و سپاہ اور تاج و کلاہ کی تلواروں سے بچ رہے تھے ان کی قبریں قتل کر دی گئی ہیں اپنی قبر کے قتل پر مجھے رونے دے تو اس قبر میں ہے اور میں تیرے سامنے زندہ ہوں مجھے اپنی زندگی ایک فعل عبث محسوس ہو رہی ہے تیرے مرقد کے ذرے تمام کائنات کے مرواریدوں سے افضل ہیں ان میں مہر و ماہ سے بڑھ کر درخشانی ہے لیکن زمانہ نے آنکھیں پھیر لی ہیں اور اس کا شیشہ دل حمیت و غیرت سے خالی ہو گیا ہے۔

اہل عرب، حیا کرو

آغا شورش کاشمیری مزید رقم طراز ہیں: آج صبح فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مزار پر گم سم کھڑا سن رہا تھا ام المومنین کہہ رہی ہیں اے اہل عرب! حیا کرو میری نور چشم کے مرقد سے یہ سلوک کر رہے ہو؟ اس کے باپ نے تمہیں شرف بخشا اور خیر الامم بنایا تھا۔

جنت البقیع میں مزارات کی حالت حد درجہ ناگفتہ ہے۔ پہلو میں فلک بوس عمارات کھڑی کی جا رہی ہیں اور بہت سی قد آور عمارتیں کھڑی ہو چکی ہیں۔ جس پیمبر نے عمر بھر پکا مکان نہ بنایا، اس کے نام لیوا بنگلوں اور محلوں میں رہ رہے ہیں، لیکن جنت البقیع ہی ایک ایسی جگہ ہے، جہاں قبروں کو رسول اللہ کی "ہدایت" پر یاران، نجد نے عبرت کے نوشتے بنا رکھا ہے، گویا اسلاف کی قبروں پر "سنت نبوی" نافذ ہے۔

لیکن خود زندہ قبریں سنگ مرمر کے محلوں میں رہ رہی ہیں:

حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مزار اقدس پر میرے اشک بار دل کی جو حالت ہوئی، عرض کرنا مشکل ہے، ایک ویرانہ میں ماں پڑی سوتی ہیں۔ ذرا ہٹ کر امام حسن، امام زین العابدین، امام جعفر صادق اور امام باقر رضی اللہ عنہم آرام کر رہے ہیں۔ ان کی جڑواں قبروں کے روبرو حضور کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہا کی قبر ہے۔

ذیل کے اشعار اسی حاضری کی یادگار ہیں:

اس سانحہ سے گنبد خضریٰ ہے پر ملال
لختِ دل رسول کی تربت ہے خستہ حال
دل میں ٹھٹک گیا کہ نظر میں سمٹ گیا
اس جنت البقیع کی تعظیم کا خیال
طیبہ میں بھی ہے آلِ پیمبر پہ ابتلا
اس ابتلا سے خاطر کونین ہے نڈھال
سوئے ہوئے ہیں، ماں کی لحد ہی کے آس پاس
پورِ خلیل، سبطِ پیمبر، علی کے لال
اڑتی ہے دھول مرقد آلِ رسول پر
ہوتا ہے دیکھتے ہی طبیعت کو اختلال
افتادگانِ خواب ہیں آلِ ابو تراب
اب تک وہی ہے گردش دوراں کی چال ڈھال
فرشہی روا ہے؟ پیمبر کے دین میں
لیکن حرام شے ہے؟ مقابر کی دیکھ بھال
اسلام اپنے مولد و منشا میں اجنبی
تیرا غضب کہاں ہے؟ خداوندِ ذوالجلال
توندیں بڑھی ہوئی ہیں غریبوں کے خون سے
محلوں کی آب و تاب ہے، حکام پر حلال
جس کی نگہ میں بنتِ نبی کی حیا نہ ہو
اس شخص کا نوشتہ تقدیر ہے زوال
پھٹتی ہے پو، تو صبح بھی ہوتی ہے بالضرور
پھرتے ہیں روز و شب، تو پلٹتے ہیں ماہ و سال
کب تک رہے گی آلِ پیمبر لٹی پٹی
کب تک رہیں گے جعفر و باقر کس حال
از بس کہ ہوں غلام غلامانِ اہلِ بیت
ہر لحظہ ان کی ذات پہ قربان جان و مال
کیا یوں ہی خاک اڑے گی مزاراتِ اقدس پر
فیصل کی سلطنت سے ہے شورش میرا سوال

(مطبوعہ ہفت روزہ چٹان لاہور، بابت 9 مارچ 1970ء)

ان کی محبت کے بغیر تو نماز بھی قبول نہیں

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے کہ...... اے اہل بیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے محبت تو اللہ نے قرآن میں فرض قرار دے دی ہے اور کیا یہ آپ کی شان کم ہے کہ جو آپ پر درود نہ پڑھے اس کی نماز ہی قبول نہیں۔

سیدہ رضی اللہ عنہا کے روحانی تصرف کی روشن مثال

شہاب نامہ کے درویش صفت مصنف جناب قدرت اللہ شہاب مرحوم حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی کو وسیلہ بنانے اس وسیلہ کی قبولیت اور گوہر مراد پانے کے متعلق اپنا ذاتی تجربہ یوں بیان کرتے ہیں۔

ایک بار میں کسی دور دراز علاقے میں گیا ہوا تھا۔ وہاں پر ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک بوسیدہ سی مسجد تھی میں جمعہ کی نماز پڑھنے اس مسجد میں گیا تو ایک نیم خواندہ سے مولوی صاحب اردو میں بے حد طویل خطبہ دے رہے تھے ان کا خطبہ گزرے ہوئے زمانوں کی عجیب و غریب داستانوں سے اٹا اٹ بھرا ہوا تھا کسی کہانی پر ہنسنے کو جی چاہتا تھا کسی پر حیرت ہوتی تھی لیکن انہوں نے ایک داستان کچھ ایسے انداز سے سنائی کہ تھوڑی سی رقت طاری کر کے وہ سیدھی میرے دل میں اتر گئی یہ قصہ ایک باپ اور بیٹی کی باہمی محبت و احترام کا تھا باپ حضرت محمد رسول اللہ تھے اور بیٹی حضرت (سیدہ) بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں مولوی صاحب بتا رہے تھے کہ حضور رسول کریم جب اپنے صحابہ کرام کی کوئی

درخواست یا فرمائش منظور نہ فرماتے تھے تو بڑے بڑے برگزیدہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) (حضرت سیدہ) بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی منت کرتے تھے کہ وہ ان کی درخواست حضور کی خدمت میں لے جائیں اور اسے منظور کروالائیں حضور نبی کریم کے دل میں بیٹی کا اتنا پیار اور احترام تھا کہ اکثر اوقات جب (حضرت سیدہ) بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا ایسی کوئی درخواست یا فرمائش لے کر حاضر خدمت ہوتی تھیں تو حضور خوش دلی سے اسے منظور فرما لیتے تھے اس کہانی کو قبول کرنے کے لئے میرا دل بے اختیار آمادہ ہوگیا۔

جمعہ کی نماز کے بعد میں اسی بوسیدہ سی مسجد میں بیٹھ کر نوافل پڑھتا رہا کچھ نفل میں نے (سیدہ حضرت) بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روح مبارک کو ایصال ثواب کی نیت سے پڑھے پھر میں نے پوری یکسوئی سے گڑگڑا کر یہ دعا مانگی: ''یا اللہ میں نہیں جانتا کہ یہ داستان صحیح ہے یا غلط لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تیرے آخری رسول کے دل میں اپنی بیٹی خاتون جنت کے لیے اس سے بھی زیادہ محبت اور عزت کا جذبہ موجزن ہوگا اس لیے میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ (سیدہ) حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روح طیبہ کو اجازت مرحمت فرمائیں کہ وہ میری ایک درخواست یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ کا متلاشی ہوں۔ سیدھے سادے مروجہ راستوں پر چلنے کی سکت نہیں رکھتا اگر سلسلہ اویسیہ واقعی افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے تو اللہ کی اجازت سے مجھے اس سلسلہ سے استفادہ کرنے کی ترکیب اور توفیق عطا فرمائی جائے۔

اس بات کا میں نے اپنے گھر میں یا باہر کسی سے ذکر تک نہ کیا چھ سات ہفتے گزر گئے اور میں اس واقعہ کو بھول بھال گیا پھر اچانک سات سمندر پار کی میری ایک جرمن بھابی کا ایک عجیب خط موصول ہوا وہ مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں اور نہایت اعلیٰ درجہ کی پابند صوم و صلوٰۃ خاتون تھیں انہوں نے لکھا تھا:

"The other night I had the good fortune to see "Fatimah" daughter of the Holy Prophet (Peace be upon Him) in my dream.She talked to me most gracious and said"Tell your brother-in-law Qudrat Ullah Shahab that I have submitted his request to my exalted father who has very kindly accepted it".

''اگلی رات میں نے خوش قسمتی سے (حضرت سیدہ) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بنت رسول اللہ کو خواب میں دیکھا انہوں نے میرے ساتھ نہایت تواضع اور شفقت سے باتیں کیں اور فرمایا کہ اپنے دیور قدرت اللہ شہاب کو بتا دو کہ میں نے اس کی درخواست اپنے برگزیدہ والد گرامی کی خدمت میں پیش کردی تھی انہوں نے از راہ نوازش اسے منظور فرما لیا ہے''۔

یہ خط پڑھتے ہی میرے ہوش وحواس پر خوشی اور حیرت کی دیوانگی سی طاری ہوگئی مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ یوں میرے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے بلکہ ہوا میں چل رہے ہیں یہ تصور کہ اس برگزیدہ محفل میں ان باپ بیٹی کے درمیان میرا ذکر ہو، میرے روئیں روئیں پر ایک تیز وتند نشے کی طرح چھا جاتا تھا کیسا عظیم باپ اور کیسی عظیم بیٹی دو تین دن میں اپنے کمرے میں بند ہوکر دیوانوں کی طرح اس مصرعہ کی مجسم صورت بنا بیٹھا رہا۔

مجھ سے بہتر ذکر میرا ہے کہ اس محفل میں ہے

جناب قدرت اللہ شہاب نے اس کے بعد تصوف کے سلسلہ اویسیہ میں اپنی رہنمائی کا پورا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے جس سے ان کی دلی آرزو کی تکمیل اور سلسلہ اویسیہ کے حق ہونے کی دلیل ملتی ہے۔ حضرت صوفی خورشید عالم خورشید رقم عہد حاضر کے نامور خطاط ہیں بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ وہ گمنامی پسند کرنے والے درویش اور حساس طبع شاعر بھی ہیں انہوں نے قدرت اللہ شہاب مرحوم کا واقعہ سنا تو ان کے دل میں چھپی ہوئی بارگاہ رسالت میں بار دیگر حاضری کی آرزو مچل اٹھی انہوں نے بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں ہدیہ ثواب پیش کرنا شروع کر دیا اور اپنی منظوم درخواست بھی پیش کردی یہاں چند اشعار پیش خدمت ہیں:

باغِ جنت کی کلی زہرا بتول
سب سے بہتر اور بھلی زہرا بتول
لے کر آیا ہوں حضورِ مصطفیٰ
سر بسر بے مائیگی زہرا بتول
میری عرضِ حال پیش آنحضور
کیجیے بہر علی زہرا بتول
بار دیگر ہو کرم کی اِک نظر
ہے یہی خواہش میری زہرا بتول

اور پھر حضرت صوفی صاحب کی یہ خواہش اس شان سے پوری ہوئی کہ صوفی صاحب اپنے شیخ طریقت حضرت خواجہ حمید الدین معظمی دامت برکاتہم العالیہ کی رفاقت میں حاضری سے فیض یاب ہوئے۔

ماں باپ، بیٹے، بیوی اور بھائی بہنیں فوج نہیں ہوتیں جنہیں پسپا کرنے کی فکر کی جائے اور مسخر کرنے کا کوئی جادو سیکھا جائے۔ ان کی عادت ہوتی ہے یہ آبگینوں کی طرح ٹوٹتے ہیں اور کوہستانوں کی طرح ڈٹتے ہیں۔ انہیں سجانا، بڑھانا اور منانا ہی دانائی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واہ واہ لفظ استعمال فرمایا کہ گرم راکھ سے ان کا منہ بند کر دینا حکمت ہوتی ہے۔ گرم راکھ جلاتی نہیں لیکن توجہ کو دوسرے عنوان کی طرف مبذول ضرور کرادیتی ہے۔

گفتنی وناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: ڈاکٹر محمد آصف، کوٹ لکھپت لاہور

سیدہ بتول سلام اللہ علیہا

ہو گیا امت پہ قرباں گھر بتول پاک کا
کس قدر احسان ہے ہم پر بتولِ پاک کا
مانگنا ہے جو بھی بنتِ مصطفیٰ سے مانگ لے
دَر رسولِ پاک کا ہے دَر بتولِ پاک کا
مُشکلیں جب ہر طرف سے تُم کو آ کر گھیر لیں
ذکر اُٹھتے بیٹھتے پھر کر بتُولِ پاک کا
چار سُو پھیلی ہوئی ہے روشنی ہی روشنی
فیض ہے دُنیا میں جَلوہ گر بتولِ پاک کا
عرش وکُرسی، چاند، تارے وَجد میں سب آ گئے
یوں جُھکا خالق کے آگے سر بتُولِ پاک کا
ہیں بتُولِ پاک کے بیٹے شہیدوں کے امام
سارے ولیوں کا ہے داتا ،بَر بتولِ پاک کا
مر کے بھی زندہ رہے گا روزِ محشر تک خضر
کس طرح خادم سکے گا مَر بتُولِ پاک کا

امام حسن المجتبیٰ علیہ السلام

جمالِ مصطفیٰ کے نور کی روشن کرن تم ہو
جلالِ حیدری کا عکس اے سیّد حسن تم ہو
چراغِ اہل بیتِ مصطفیٰ ہو تم مرے آقا
شہِ والا رُخِ اسلام کی پوری پھبن تم ہو
بنے تھے راکبِ دوشِ رسول دوسرا تم بھی
امام الاولیاء ، ابنِ علی ، شاہِ زمن تم ہو
تمہارے عشق میں بادِ بہاری رقص کرتی ہے
گُلِ رعنا، بہارِ جانفزا، حسنِ چمن تم ہو
پیا تھا زہر تُو نے مصطفیٰ کے دین کی خاطر
لُٹے تھے کربلا میں جس کے سب سرو وسمن تم ہو
کیا سرسبز تیرے خون نے کشتِ شہادت کو
تمہیں خضرِ جہاں ہو، دو جہاں کا بانکپن تم ہو

پیر سید خضر حسین چشتی

ام المومنین سیدہ طاہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ

ذیشان کلیم معصومی

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضور پاک ﷺ کی پہلی زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان لانے والی پہلی انسان اور پہلی خاتون ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

حضرت خدیجہ کائنات کی وہ عظیم ہستی ہیں جن کو حضور پاک ﷺ کی پہلی زوجہ ہونے کا شرف اعظم حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نام خدیجہ، لقب طاہرہ اور کنیت ام ہند ہے۔ آپ کا شجرہ نسب اس طرح سے ہے کہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصیٰ، قصیٰ پر پہنچ کر آپ کا خاندان سرور کونین ﷺ کے عظیم خاندان سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد اپنے قبیلے میں نہایت معزز انسان تھے اور مکہ آ کر اقامت کی اور یہیں فاطمہ بنت زائدہ سے نکاح کیا جن کے بطن سے عام روایت کے مطابق حضرت سیدہ خدیجہ عام الفیل سے 15 سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد خویلد کا شمار مکہ کے امیر ترین لوگوں میں سے ہوتا تھا، آپ بہت بڑے تاجر تھے چنانچہ سیدہ کی تربیت بڑے ناز و نعم سے ہوئی۔

سیدہ حضرت خدیجہ سیرت اعلیٰ اخلاق، بلند کردار، عزت و عصمت، اور شرافت و مرتبہ کی وجہ سے پورے مکہ میں اور اردگرد کے تمام علاقوں میں طاہرہ کے پاکیزہ اور خوبصورت لقب سے مشہور تھیں۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق بلند کردار اور دولت، شرافت اور عزت کی وجہ سے قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا لیکن آپ نے بڑی حکمت اور خاموشی سے رد کر دیا۔ آپ کے پاس مال و دولت اور سامان تجارت کی بہت کثرت تھی۔ آپ اس زمانے میں خود لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اس لیے اپنے سامان تجارت کی خود نگرانی کیا کرتیں تھیں۔ جس کی وجہ سے آپ کا تجارتی سامان شام و یمن تک پہنچ گیا۔ آپ کا تجارتی قافلہ سب سے بڑا ہوتا اور آپ اپنا سامان تجارت مختلف لوگوں کے ذریعے شام و یمن تجارت کے لیے بھیجا کرتیں تھیں۔ ان تجارتی قافلوں کی نگرانی آپ کے قابل اعتماد اور معاملہ فہم غلام میسرہ کے سپرد تھی۔

ابن ہشام اور دیگر روایات کے مطابق ایک دفعہ آپ کے اسی غلام میسرہ نے سرکار دو عالم ﷺ کی امانت دیانت شرافت اور عالی نسب کا ذکر کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ اس مرتبہ تجارتی قافلہ کا نگران اور شریک حضرت محمد ﷺ بن عبد اللہ کو بنا کر بھیجا جائے۔ آپ دیانت دار تاجر کی حیثیت سے مشہور تھے اور پورے عرب میں صادق اور امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ حضرت سیدہ خدیجہ نے غلام کا مشورہ مانتے ہوئے حضور ﷺ سے بات چیت کرنے کو کہا۔ حضور پاک نے اپنے چچا اور سرپرست ابو طالب کے مشورہ سے سیدہ خدیجہ کی اس پیشکش کو قبول کر لیا اور ان کے غلام میسرہ کے ہمراہ تجارتی قافلہ لے کر شام کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ دو ماہ بعد جب تجارتی قافلہ واپس آیا تو سیدہ کے غلام میسرہ نے شام کے تجارتی قافلہ اور سفر کے حالات و واقعات بیان کرتے ہوئے حضور پاک کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میں کافی عرصہ سے آپ کی خدمت میں ہوں اس دوران ہر طرح کے لوگوں سے میرا واسطہ پڑا لیکن محمد بن عبد اللہ کی رفاقت میں جو کچھ میں نے دیکھا وہ عجیب تر ہے۔ میں نے محمد بن عبد اللہ کو مشکلات میں بلند حوصلہ، مصائب میں پرسکون، ہجوم میں باوقار اور خرید و فروخت میں انتہائی ذہین و فہیم اور دور اندیش دیکھا ہے۔ وہ بردبار اور متحمل نوجوان ہیں ان کی خاموشی میں وقار اور گفتگو میں دلکشی ہے، لوگ ان کو صادق اور امین کہتے ہیں تو وہ اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتے ہیں، ان کے موتی جیسے دانتوں سے نور کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ ان کی سوچ بہت وسیع اور کردار میں تنہا و یکتا ہیں۔ وہ لاکھوں میں ایک اور اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ تجارت ان کے سپرد کر دیں پس کاروبار چمک اٹھے گا۔

دوسرے روز حضور نے شام کے سفر کا حساب کتاب پیش کیا تو اس دفعہ سیدہ کو توقع سے بڑھ کر بہت نفع ہوا۔ کاروبار تجارت میں سرکار ﷺ کی امانت دیانت اور سچائی نے سیدہ کو بہت متاثر کیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی عزیز ترین سہیلی نفیسہ کے ذریعے سرکار کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے چچا اور سرپرست ابو طالب رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے نکاح کا پیغام قبول فرما لیا۔ مقررہ تاریخ کے مطابق آپ کے چچا ابو طالب رضی اللہ عنہ نے حضور پاک ﷺ کا نکاح پڑھایا۔ نکاح کے وقت حضور پاک ﷺ کی عمر مبارک صرف 25 سال اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 40 سال تھی۔ ابن سعد نے مہر کی رقم 500 درہم جبکہ ابن ہشام نے 20 اونٹوں کا ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ کی دعوت ولیمہ میں گوشت اور روٹی کا انتظام کیا گیا۔

جب سرکار ﷺ کی عمر مبارک 39 برس سے زائد ہو گئی تو آپ ﷺ مکہ سے اڑھائی میل دور غار حرا میں عبادت کے لیے جاتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ مقدس خاتون جنت ہیں جنہوں نے نبوت سے قبل ہی بت پرستی ختم فرما دی تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضور پاک کی پہلی زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ پر ایمان لانے والی پہلی انسان اور پہلی خاتون ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ پہلی وحی کے بعد سرکار ﷺ کو ایک سچے ہمدرد کی ضرورت تھی اور سیدہ سے بڑھ کر آپ ﷺ کا کون ہمدرد ہو سکتا تھا۔ آپ ﷺ گھر لوٹتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ”مجھے جلدی سے لحاف اوڑھا دو“۔ سیدہ نے کمبل اوڑھا دیا اور آپ کو مسلسل دلاسہ دیتی رہیں۔ آپ جب پُرسکون ہوتے ہیں تو غار حرا کا واقعہ من و عن سنا دیتے ہیں اور فکر و پریشانی کا اظہار فرماتے ہیں۔ اس وقت اس غمگسار بیوی نے ایسے الفاظ میں آپ ﷺ کی دلجوئی کی جو تاریخ عالم میں ایک مثال بن گئی۔ سیدہ فرماتی ہیں آپ ﷺ ایسا مت سوچیں (بھلا خدا ایسے شخص کو کیوں ہلاک کرے گا جبکہ) آپ ﷺ رشتہ داری نبھاتے ہیں، سچ بولتے ہیں، ناتواں کو سہارا دیتے ہیں، نادار پر خرچ کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور مصائب میں لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں پھر مزید اطمینان

دلانے کے لیے ورقہ بن نوفل جیسے عالم کے پاس لے جاتی ہیں۔ورقہ بن نوفل آپ ﷺ کے عم زاد تھے۔ آسمانی مذاہب کے بارے میں علم رکھتے تھے اور عیسوی مذہب پر کاربند تھے۔عبرانی اور عربی زبانوں میں پوری مہارت رکھتے تھے، کثرت مطالعہ سے نابینا ہو گئے تھے تاہم توریت اور انجیل کا پورا علم رکھتے تھے۔مزید برآں ایک خیر خواہ اور دور اندیش تھے۔ رسول اللہ ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی تھی اور اس پر آپ ﷺ جس کیفیت میں مبتلا تھے اس کا ذکر ورقہ بن نوفل سے کرنا نہایت قرین قیاس تھا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دانائی کا بین ثبوت تھا۔

غار حرا کا واقعہ سن کر وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ناموس (جبرائیل) فرشتہ ہے جو انبیائے کرام پر نازل ہوتا ہے۔کاش میں اس وقت آپ ﷺ کی بھرپور مدد کر سکوں جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو شہر بدر کر دے گی۔آپ ﷺ حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ ''میری اپنی قوم مجھے نکال دے گی؟'' ورقہ بن نوفل ایک عام کلیہ بیان کرتے ہیں کہ ہر نبی کو اس کی قوم ہجرت پر مجبور کرتی ہے۔ورقہ بن نوفل نے سیدہ کی اس بات کی تصدیق کر دی کہ اللہ نے آپ کو ایک اہم کام کے لیے چن لیا ہے لہذا آپ مستعد ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ پر دوسری وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھے اور وہ اندیشہ جو پہلے آپ ﷺ کو لاحق تھا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تدبیر سے دور ہو گیا تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''جب لوگوں نے مجھ پر ایمان لانے سے انکار کیا تو وہ مجھ پر ایمان لائیں، جب لوگوں نے مجھے معاش سے مجبور کر دیا تو انہوں نے میری مال سے مدد فرمائی''۔

سرکار ﷺ اپنی اس زوجہ کا بے حد احترام فرمایا کرتے اور ان کی حیات میں آپ نے کوئی دوسری شادی نہیں فرمائی۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اکثر ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''خدا کی قسم مجھے سیدہ خدیجہ سے بہتر بیوی نہیں ملی وہ اس وقت ایمان لائیں جب سارا عرب کافر تھا اور انہوں نے اپنی ساری دولت مجھ پر قربان کر دی''۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ آپ کے بطن مبارک سے سرکار کی چھ اولادیں ہوئیں۔دو صاحبزادے جن کا بچپن میں وصال ہو گیا تھا اور چار صاحبزادیاں شامل ہیں۔شعب ابی طالب (گھاٹی) میں تین سال کا عرصہ مسلمانوں نے انتہائی دکھ تکلیف، مصیبتوں اور اذیتوں میں گزارا۔ ان قیامت خیز لمحات اور آزمائش کی گھڑیوں میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بڑے صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا، ہر ممکن حضور ﷺ کی خدمت کی اور آپ ﷺ کا خیال رکھا۔تفکرات کے ہجوم کی وجہ سے ام المومنین کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کی وفات کے چند روز بعد ہی سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون اول اور رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا 25 سال گزارنے کے بعد 10 رمضان المبارک کو 65 برس کی عمر میں وصال فرما گئیں۔حضور پاک ﷺ نے خود قبر انور میں اتر کر آپ رضی اللہ عنہا کو دفن فرمایا اور ہمیشہ آپ رضی اللہ عنہا کو یاد کر کے آبدیدہ ہو جایا کرتے۔آپ ﷺ اپنے چچا اور اپنی رفیقہ حیات کی وفات کے بعد غمگین رہنے لگے اور اس سال کو ''عام الحزن'' غم کا سال قرار دیا۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سیدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کو جنت کے ایسے گھر کی خوشخبری سنائی جو تازہ آبدار ہو گا، جس میں شور ہو گا اور نہ ہی ملال و رنج۔اللہ ہمیں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے صدقے معاف فرمائے اور جن کی گود خالی ہے اللہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی گود کے صدقے ہماری، بہنوں بیٹیوں کو اولاد کی نعمت سے مالا مال فرمائے اور ہمیں ان عظیم ہستیوں کے صدقے روز محشر سرکار کی شفاعت کا حق دار بنائے اور ہماری سب کی انفرادی واجتماعی پریشانیوں کو ان کے صدقے دور فرمادے۔

بقیہ: تبصرہ وتذکرہ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

''اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں ثابت قدم رہو اور حفاظت دین کے لیے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو''۔

سورۂ آل عمران کی آخری آیت میں ایمان والوں کو فوز وفلاح کا ایک چار نکاتی لائحہ عمل دیا گیا ہے۔

☆ پہلا نکتہ صبر کرنا ہے۔اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی کامیابی اور کامرانی صبر کی خو مربوط کر دی گئی ہے۔اس لفظ کا لغوی معنی روکنا ہوتا ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ صبر کا ایمان سے وہی تعلق ہے جو سر کا بدن سے ہے۔عام طور پر صبر کی چار اقسام بیان کی گئی ہیں:

1۔ توحید اور عالم آخرت کے پہچاننے میں غور وفکر کے جو مراحل پیش آتے ہیں اس میں جو مشقت اٹھانی پڑتی ہے وہ صبر ہے۔

2۔ واجبات کے ادا کرنے میں جو تکلیفیں پیش آتی ہیں مثلاً روزہ میں بھوک پیاس اور سردیوں میں نماز ادا کرنے کے لیے ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا، یہ تکلیفیں برداشت کرنا لیکن فریضہ ادا کرنا یہ صبر ہے۔

3۔ نفس کو خواہشات سے روکنا اور گناہوں کے دواعیات سے بھی رک جانا یہ صبر ہے۔

4۔ مصائب اور تکلیفیں جو حادثاتی، اتفاقی اور قدرتی پیش آتی ہیں انہیں برداشت کرنا صبر ہے۔

☆ دوسرا نکتہ مصابرہ ہے۔یہ بات مفاعلہ سے ہے اس کا معنیٰ ہے دوسروں کی ضد یا استقامت کے مقابلہ میں استقامت اور ثبات دکھانا۔یہ دشمن کے مقابلہ میں اولعزمی کے ساتھ ڈٹ جانا ہے۔

☆ تیسری چیز مرابطت ہے اس لفظ کا مادہ ''رباط'' ہے۔اس کا لغوی معنیٰ کسی چیز کو دوسری چیز سے باندھ دینا، اسی سے قافلوں کے ٹھہرنے کی جگہ کو ''رباط'' کہتے ہیں۔''مرابطہ'' کا معنیٰ اسلامی سرحدوں کی نگہبانی بھی ہوتا ہے، علماء جو دین کی حفاظت میں لگے رہتے ہیں وہ بھی ''مرابطین'' ہوتے ہیں۔وہ صوفیہ بھی ''مرابطین'' ہیں جو لوگوں کے دلوں کو اللہ کی محبت سے باندھ دیتے ہیں۔

☆ چوتھا فلاحی نکتہ اللہ سے ڈرنا اور تقویٰ کے مراعات کو پورا کرنا ہوتا ہے۔یہ تقویٰ ہی ہے کہ کسی بھی قسم کی ریاکاری، خود پسندی اور شخصی اغراض کو مومنوں سے قریب نہیں آنے دیتا۔

حوالہ جات

(658) تفسیر کبیر: رازی (659) تفسیر مظہری: پانی پتی
(660) تفسیر القرآن: ابن کثیر (661) تفسیر مظہری: پانی پتی
(662) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی (663) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(664) حاشیہ جلالین: صاوی ایضاً الخمی ایضاً قرطبی
(665) مرقاۃ جلد: ملا علی قاری (666) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(667) روح المعانی: آلوسی (668) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی

انڈیا میں ٹیپو سلطان کی تاریخ کو مسخ کرنے کی نئی سازش

پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے''۔

یہ جملہ جب بھی آپ سنیں گے یا پڑھیں گے تو یقیناً اس عظیم شخصیت کا تصور سامنے آئے گا۔ جسے لوگ ٹیپو سلطان کے نام سے جانتے ہیں۔ شیر میسور کے نام سے بھی موسوم، جس نے ایک بہادر سپہ سالار کی حیثیت سے نہایت جرأت، جوانمردی، اولوالعزمی اور عزم بالجزم سے انگریزوں اور اس کے اتحادیوں سے معرکہ آرائی کی اور تین دہائیوں تک ان کے سامنے ایک چٹان بن کر کھڑے رہے۔ اٹھارویں صدی کی آخری تین دہائیوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف چار جنگیں لڑی گئیں اور چوتھی اینگلو میسور جنگ میں انگریزوں کی ریشہ دوانیوں اور آستین کے سانپوں کی جال سازیوں کی وجہ سے ملت اسلامیہ کا یہ عظیم سپہ سالار شہید کر دیا گیا اور اس طرح اس سلطنت خداداد کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

ٹیپو سلطان کا پورا نام ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان تھا ان کے والد گرامی کا نام حیدر علی تھا جو ایک صوفی منش حکمران تھے۔ ٹیپو سلطان کو عربی فارسی کے علاوہ دو تین دیگر زبانوں پر بھی دسترس حاصل تھی۔ تاریخ میں انہیں اصلاح و حریت پسند اور بین المذاہب ہم آہنگی کی لازوال مثال سمجھا جاتا ہے۔ وہ جدید معاشی اور سائنسی افکار و نظریات کے حامی ایک ترقی پسند حکمران تھے۔

رنگ کے گورے اور دل کے کالے انگریز: انگریز اور دیگر کئی غیر مسلم اقوام ہمیشہ سے ہی مسلمانوں کے درپے آزار رہے ہیں اور مسلمانوں کو الجھائے رکھنے اور زک پہنچانے کے لیے وہ جنگ صرف ایک محاذ پر نہیں لڑتے بلکہ ان کا سازشی ذہن چومکھی لڑائی لڑتا ہے۔ دل کے کالے انگریزوں نے سلطان میسور کے مقابلہ کے لیے مختلف حربے استعمال کیے۔ عسکری منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ انہوں نے قریبی حکمرانوں کو اپنے ساتھ ملایا، سلطان کی فوج اور رعایا میں سے غداری کے لیے لوگ تلاش کیے اور انہیں بڑی بڑی لالچ دی۔ کچھ افواہ ساز ذہن اور کچھ فتوہ فروش علماء خریدے اور اس طرح عوام الناس کو گمراہ کرنے اور سلطان کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے افواہیں پھیلائی گئیں۔ فتوے صادر کروائے گئے۔ یوں ہر جانب سے سلطان کے گرد گھیرا تنگ کیا گیا۔ تاریخ عبرت کدہ بھی ہے اور حیران کن بھی۔ یہ منظر دیکھ کر آپ دنگ رہ جائیں گے۔ مارچ 1799ء میں لوگ نماز جمعہ پڑھ کر مسجد سے باہر نکل رہے تھے کہ ایک منادی کرنے والا زور زور سے چلا رہا تھا:

''اے مسلمانو! سنو، صوفی حیدر علی کا بیٹا فتح علی ٹیپو سلطان وہابی ہو گیا ہے''۔

فرقہ وارانہ منافرت کو ہوا دینے لوگوں کے رجحانات کے مطابق مختلف الزامات لگائے جا رہے تھے، یہاں ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اس بیانیے میں لفظ "صوفی" کا استعمال کیا گیا کہ باپ تو ایک صوفی اور درویش انسان تھا مگر بیٹے نے باپ سے بغاوت کر دی ہے اور صوفی ازم کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلا گیا ہے لہذا حیدر علی کے وفاداران کو اس کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔ یہاں ریکارڈ پر موجود یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اس ''وہابی'' ٹیپو سلطان کی لائبریری میں اس وقت 115 سے زائد کتب صوفی ازم پر موجود تھیں۔ فرقہ وارانہ منافرت اور کشیدگی پیدا کرنے کی سازش میں یہ امر بھی شامل تھا کہ تین ریاستوں میں بیک وقت مختلف اعلان ہو رہے تھے۔ کہیں سلطان کے وہابی اور کہیں اہل تشیع ہونے کی خبر دی جا رہی تھی۔ اس مذہبی کارڈ کے ساتھ دوسری جانب ''مفتیانِ کرام'' سے ٹیپو سلطان کے خلاف سینکڑوں فتوے لیے گئے اور ان کی خوب تشہیر کی گئی کہ:

''سلطان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ صرف اسلام کا نام اپنے اقتدار کے لیے استعمال کر رہا ہے لہذا ان کے خلاف جہاد واجب ہو گیا ہے سلطان کے خلاف جنگ میں جو بھی شریک ہو گا عنداللہ ماجور ہو گا اور ثواب کا حقدار ٹھہرے گا''۔

یہی وجہ ہے کہ انگریزوں نے مرہٹوں اور نام حیدر آباد سے مل کر حملہ کیا تو ان کے ساتھ بہت سے مسلمان جنگجو بھی شامل تھے۔

ٹیپو سلطان کی شخصیت کے اعلیٰ اخلاقی پہلوؤں کو مسخ کرنے کے لیے یہ پروپیگنڈہ بھی کیا گیا کہ سلطان ایک ظالم اور جابر حکمران ہے، لہذا ایسا شخص کسی طور پر بھی اس خطے کی حکمرانی کا سزاوار نہیں ہے۔ آگے بڑھنے سے قبل سلطان کے بارے میں ایک اعترافی بیان بلکہ خراج تحسین ان کے ایک جانی دشمن کی زبان سے پڑھ لیتے ہیں۔ کیونکہ مقولہ ہے کہ خوبی وہ جس کا اعتراف دشمن کرے۔ ٹیپو سلطان سے انگریزوں کے بے پناہ تعصب کے باوجود کیپٹن لٹل، جس نے میسور کی تیسری جنگ میں بھرپور کردار ادا کیا تھا وہ اپنی یادداشتوں میں تحریر کرتا ہے:

"ٹیپو کے متعلق بہت سی افواہیں سنی جاتی تھیں کہ وہ ایک جابر و ظالم حکمران ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی تمام رعایا اس سے بے زار ہے لیکن جب ہم اس کے ملک میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ صنعت و حرفت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے نئے نئے شہر آباد ہوئے اور ہوتے جا رہے ہیں۔ رعایا اپنے کاموں میں مصروف و منہمک ہے۔ زمین کا کوئی حصہ بھی بر جس نظر نہیں آتا۔ قابل کاشت زمین جس قدر بھی مل سکتی ہے اس پر

کھیتیاں لہرارہی ہیں۔ ایک انچ زمین بھی بیکار نہیں پائی گئی۔ رعایا اور فوج کے دل میں بادشاہ کا احترام اور محبت بدرجہ اتم موجود ہے۔ فوج کی تنظیم اور اس کے ہتھیاروں کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ یورپ کے کسی مہذب ملک کی فوج سے کسی حالت میں پیچھے نہیں ہے''۔ (وکی پیڈیا)

ٹیپو سلطان قومی ہیرو یا غدار وطن: نیرنگیٔ دوران تو دیکھیے کہ جو عظیم مجاہد تین دہائیاں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا رہا اب دوسو سال سے زائد عرصہ گذرنے کے بعد گوروں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کالے متعصب ہندو اسی طرح کے الزامات اس پر لگارہے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ اس محب وطن اور قومی ہیرو کو غدار وطن اور ظالم و جابر حکمران ثابت کرنے کی سعی کی جارہی ہے۔ دراصل ان کا ہدف جنگ آزادی کی تمام تر تاریخ کو مسخ کرنا ہے۔ وہ عظیم سپہ سالار جس کا ذکر مسلمانوں کے لیے ہی نہیں، پاک و ہند کے تمام افراد کے لیے باعث فخر ہے۔ ان کے نام کو یہ متعصب لوگ ایک ''دشمن کی علامت'' بنانے کے درپے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ہندوستانی ٹی وی پر ٹیپو سلطان کے بارے میں بھی کوئی سیریل بنانے کی تجویز سامنے آئی اور اسی طرح ایک پارک کا نام بھی ان کے نام سے موسوم کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ہندو انتہا پسند کورٹ اور سڑکوں پر آ گئے۔ اپنے گورے آقاؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علماء سو سے فتوے بھی صادر کروائے گئے کہ ان کے لیے یہ برداشت کرنا مشکل ہو رہا کہ ایک مسلمان کی مثبت شبیہ قوم کے سامنے پیش ہو، تاہم اس پر دہلی کی جواہر لال یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کی سابق پروفیسر جانکی نائر کہتی ہیں:

''ممبئی میں کھیل کے میدان یا پارک کا تاریخ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرا ماننا ہے کہ ٹیپو سلطان آج مسلمانوں کے خلاف احتجاج کی ایک آسان علامت بن چکے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں جب چہار جانب سے وہ (مسلمان) اتنے گھرے ہوئے ہیں تو مسلمانوں کے لیے ٹیپو سلطان کا ذکر بھی فخر کی علامت بن جاتا ہے''۔

یہ تاریخ کا مذاق نہیں تو اور کیا ہے کہ انڈیا کی ریاست کرناٹک میں ریاستی انتخابات سے قبل حکمران جماعت بی جے پی کے کئی سیاستدانوں اور وزرا کی طرف سے یہ بیانیہ پیش کیا گیا کہ ٹیپو سلطان انگریزوں سے لڑتے ہوئے شہید نہیں ہوئے بلکہ ان کو دو بھائیوں نے قتل کیا تھا حالانکہ ایسے دو افراد کے وجود کا تاریخ میں کہیں ذکر تک نہیں ہے جبکہ یہ مسلمہ حقیقت اور تاریخ کی مصدقہ خبر ہے کہ سلطان ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے اتحادیوں سے لڑتے ہوئے سرنگا پٹم کے میدان مین شہید ہوئے تھے۔ ذرا ملاحظہ ہو دی نیوز منٹ کی رپورٹ جس میں پوجا پرسنا نے لکھا ہے کہ:

''دائیں بازو کے بیانیہ میں ووکالیگا برادری کے ووٹ کے لیے ووکالیگا کے سالار اُری گوڑا اور ننجے گوڑا کا ذکر ٹیپو سلطان کا خاتمہ کرنے والوں کے طور پر کیا جانے لگا ہے۔ اور یہ کہانی بی جے پی کو اس لیے راس آ رہی ہے کہ وہ ریاست میں آئندہ ہونے والے ریاستی انتخابات میں مسلمانوں کے خلاف ووکالیگا کے ووٹ حاصل کر سکیں''۔

دی نیوز منٹ کے مطابق ثقافتی تھیورسٹ اور مصنف این منوچکرورتی نے اُڑی اور ننجے گوڑا کے ٹیپو کو مارنے کو دائیں بازو کے تخیل کی خالص شکل قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ 'ابھی تک، ان دونوں کرداروں کے حوالے سے کوئی مستند تاریخی بیانیہ سامنے نہیں آیا ہے، خاص طور پر ٹیپو سلطان کی بے وفائی کے حوالے سے۔ وہ کسی بڑی یا سنجیدہ تاریخی گفتگو کا حصہ نہیں ہیں۔

صد افسوس کہ انڈیا میں موجودہ تحریک میں ٹیپو سلطان کو ہیرو کی بجائے دشمن نمبر ایک گردانا جارہا ہے لیکن میسور یونیورسٹی میں ٹیپو چیئر کے پروفیسر، پروفیسر سیبسٹین جوزف نے بی بی سی ہندی سے بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''مہاراشٹر کے لوگوں کو شاید یہ نہیں معلوم کہ ٹیپو سلطان ایک قومی ہیرو تھے کیونکہ 19 ویں صدی تک ایک ہندوستان یا ہندوستانیت کی کوئی شناخت ہی نہیں تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس وقت مراٹھا، بنگال یا میسور کی شناخت تھی''۔

لیکن جس چیز نے مورخین کو حیران کر رکھا ہے وہ ٹیپو سلطان کے بارے میں یہ کہا جانا ہے کہ ''وہ جنوبی ہندوستان کے سب سے سفاک حملہ آوروں میں سے ایک تھے''۔

لیکن اسی سرزمین میں حقائق کا پردہ چاک کرنے والے بھی ابھی موجود ہیں پروفیسر جانکی نائر کہتی ہیں کہ:

''وہ (ٹیپو سلطان) حملہ آور نہیں تھے، وہ کہیں اور سے یہاں نہیں آئے تھے۔ وہ بہت سارے ہندوستانی حکمرانوں سے زیادہ اپنی آبائی سرزمین سے وابستہ تھے۔ یہ کہنا کہ وہ حملہ آور تھے۔ یہ اس شخص کے بارے میں بڑی غلط فہمی کا مظہر ہے''۔

اسی طرح تاریخ کے پروفیسر این وی نرسمہیا کہتے ہیں کہ:

''ٹیپو ان عظیم وطن پرست لوگوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے انگریزوں، مرہٹوں اور حیدرآباد کے نظام کی مشترکہ افواج کے خلاف جنگ لڑی۔ ان کے خلاف اس قسم کی مہم کا چلایا جانا کہ وہ ملک کے دشمن نمبر ایک ہیں، یہ تعصبات کی وجہ سے ہے''۔

ٹیپو سلطان کے بارے میں ایک اور گمراہ کن بیانیہ دیا جارہا ہے۔ کہ ''کہ وہ ظالم و جابر حکمران جبری مذہب تبدیل کرواتا تھا'' جب کہ دنیا بھر کے لوگ اس بات سے آگاہ ہین کہ اسلام کی بنیادی تربیت میں یہ امر شامل ہے کہ زبردستی کسی مذہب تبدیل نہ کروایا جائے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر درج ہے کہ:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

(البقرہ:256)

''کچھ زبردستی نہیں دین میں بے شک خوب جدا ہوگئی ہے نیک راہ گمراہی سے''۔

اس ضمن میں بھی پروفیسر نائر کی وضاحت بہترین ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ:

''جبری تبدیلی مذہب اور ظلم وستم کی جو خبریں اب منظر عام پر آ رہی ہیں، وہ 18 ویں صدی کا مزاج تھا۔ اس شخصیت نے موت کے بعد کئی زندگیاں دیکھی ہیں۔

وہ کہتی ہیں: پہلے انگریزوں نے ان کے بارے میں لکھا کہ وہ بہت ظالم و جابر حکمران تھے۔ انھوں نے انگریزوں کے خلاف جنگ لڑی اور میدان جنگ میں جام شہادت نوش کیا۔ یہ سب مٹا دیا گیا، کیونکہ وہ مسلمان ہیں اور ان کے پاس اس وقت کے دوسرے حکمرانوں کی طرح ظلم و جبر کا ریکارڈ

تھا اور یقیناً، انھوں نے کچھ لوگوں کے مذاہب کو تبدیل کرایا لیکن ان کی تعداد کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے جبکہ یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ وہ بڑے پیمانے پر مذہب تبدیل کر کے ہندو اکثریتی ملک پر حکمرانی نہیں کر سکتے تھے‘‘۔

ایک طرف تو سلطان کو کٹر مذہبی بنا کر جبراً مذہب تبدیل کرانے کا بیانیہ دیا جا رہا ہے اور دوسری طرف انگریزوں کا شوشہ کہ سلطان کا مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں جس کی بنا پر سینکڑوں قسم کے فتوے جاری ہوئے۔ آج بھی انہیں کے نقش پا کی تقلید کرتے ہوئے منافرت پھیلائی جا رہی ہے کہ وہ اقتدار کی خاطر اسلامی کارڈ استعمال کر رہے تھے۔ دلیل کے طور پر کہا گیا تھا کہ ان کی لائبریری میں قرآن وحدیث کی کم اور شاعری کی زیادہ کتب تھیں حالانکہ ان کے مذہبی رجحان کو دیکھنا ہو تو ان کا پورا کتب خانہ دیکھنا چاہیے۔ ٹیپو سچے مسلمان اور عظیم سپاہی تھے وہ ہر وقت باوضو رہتے۔ نماز فجر کے بعد بلاناغہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔ اپنے ہر شاہی فرمان کی پیشانی پر اپنے ہاتھ سے بسم اللہ لکھتے۔ سلطنت کا نام سلطنتِ خداداد میسور تھا۔ آخری عمر میں جو پورے پچاس برس بھی نہ ہو سکی، پلنگ پر سونا چھوڑ دیا۔ زمین پر کھدر بچھا کر سوتے۔ علاوہ ازیں بانی اسلام حضرت محمد مصطفٰے ﷺ اور ان کے رفقاء کے حوالے سے سلطان کی محبت کا اندازہ ان کے جاری کردہ سونے چاندی کے سکوں کے ناموں سے ہو سکتا ہے۔ ٹیپو کے خزانے کے سونے اور چاندی کے سکوں کے نام مذہبی یک جہتی کا استعارہ تھے۔ سب سے قیمتی سکے کا نام سرکار دو جہاں ﷺ کی نسبت سے احمدی تھا۔ اس کے بعد قیمتی ترین سکہ صدیقی تھا جسے صدیق اکبر سے نسبت تھی۔ تیسرے سکے کا نام فاروقی تھا۔ ایک سکے کے نام عثمانی اور ایک کا نام حیدری تھا۔ ٹیپو کے خاص دستے کا نام اسد اللٰہی تھا۔ یہی ٹیپو سلطنت عثمانیہ کو لکھ بھیجتا ہے کہ فرات سے نجف تک نہر کھودیے اس کا خرچ ریاست میسور دے گی۔

ٹیپو سلطان ایک سچے اور کھرے مسلمان تھے۔ ایک عظیم مسلمان رہنما کی تمام تر خوبیاں اس میں موجود تھیں۔ مسلمانوں کے لیے تو ان کی ذات ایک مربی کی حیثیت رکھتی تھی لیکن غیر مسلم عوام کے حقوق کا خیال اور تحفظ بدرجہ اتم کرتے تھے حتی کہ فوج میں بھی ان کو خاطر خواہ حصہ دیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں پروفیسر نایر کہتی ہیں:

’’دراصل، ٹیپو سلطان کی اپنی فوج میں چھ یونٹس تھیں۔ ان میں سے دو یونٹ مرہٹوں اور راجپوتوں کی تھیں۔ وہ مسلمانوں کی مختلف حیثیتوں میں فرق نہیں کرتے تھے۔ وہ مرہٹوں اور راجپوتوں کی مختلف برادریوں میں فرق نہیں کرتے تھے۔ ہر ایک کو مناسب تنخواہ دیا کرتے تھے۔ وہ بتاتی ہیں کہ 1960ء اور 70 کی دہائیوں میں مؤرخین ٹیپو سلطان کے معاشی منصوبوں، زراعت کی ترقی اور ریشم کی صنعت کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے یہ منصوبے بہت ترقی پسند تھے‘‘۔

آجکل متعصب ہندو ٹیپو سلطان کے ظلم و بربریت کی فرضی داستانیں سنا کر عوام الناس کو گمراہ کر رہے ہیں جبکہ یہ عظیم سلطان ہندوؤں کی دلجوئی ہی نہیں کرتا تھا ان کے مندروں کی حفاظت اور عطیات بھی دیتا تھا۔

پروفیسر نایر کے مطابق سنہ 1980ء کی دہائی کے آخر میں ٹیپو سلطان کے خلاف ایک قسم کی ناراضگی پیدا ہونا شروع ہوگئی۔ اسے دو طرح کے مخصوص بیانیے کے ذریعے کنٹرول کیا شروع جانے لگا۔ ایک نام نہاد تبدیلی مذہب اور کنڑ زبان کو فروغ نہ دینا اور مندروں کو تباہ کرنا بھی شامل تھا۔ یہ ایک بہت ملی جلی تصویر ہے کیونکہ اس بات کے بہت سارے شواہد موجود ہیں کہ ٹیپو نے بہت سے مندروں کو بہت عطیہ دیا تھا۔

حتی کہ دائیں بازو کے مؤرخوں میں شمار ہونے والے سوریہ ناتھ یو کامتھ نے ٹیپو کو کرناٹک کی تاریخ کی کتاب میں صحیح جگہ دی ہے، جو کہ گزشتہ دو دہائیوں میں بدل دی گئی ہے مندروں کو عطیات دینے کے حوالے سے پروفیسر زسمہیا کہتے ہیں:

’’مراہٹہ یا پیشوا فوج نے مندر پر حملہ کر دیا اور تمام زیورات لے گئے اور وہاں رکھے دیوتاؤں کی بے حرمتی کی۔ پیشوا نے جو کچھ بھی لوٹا ان چیزوں کو ٹیپو سلطان نے مندر کو عطیہ کیا۔ انھوں نے اپنی رعایا کو آشیر باد دینے کی درخواست کرتے ہوئے سردار پجاری کو کئی خطوط لکھے۔ انھوں نے کئی دوسرے مندروں میں بھی ایسا ہی کیا۔ ان میں ننجن دیشور مندر بھی شامل ہے جسے وہ حکیم ننجن دا کہتے تھے کیونکہ ان کی آنکھوں کی تکلیف وہیں دور ہوئی تھی‘‘۔

سرکاری دستاویزات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ٹیپو سلطان نے ملکوٹ، کولور موکا میبکا مندر اور دیگر کئی مندروں کو زر و جواہر، زیورات اور تحفظ بھی فراہم کیا تھا۔

یہ وہ حقائق ہیں جن کو کسی بھی صورت میں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ مگر یہ سازشی عناصر آج بھی انگریزوں کی طرح ان پر الزامات لگا رہے ہیں۔

اب ہندوستان ہمارا ہے

چوتھی اینگلو میسور جنگ میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے 60,000 سے زائد سپاہی تھے اور تقریباً 4,000 یورپی اور ہندوستانی جنگجو بھی ان کی فوج کا حصہ تھے۔ دوسری طرف سلطان کی فوج صرف 30,000 سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اگر غدار وزرا اور فوجی سلطان کو دھوکا نہ دیتے، تو سلطان انگریزوں کو اپنی سرزمین میں کبھی داخل نہ ہونے دیتا۔ ننگِ دیں، ننگِ قوم اور ننگِ وطن میر صادق اور متحدہ افواج کے جنرل ہیرس کے درمیان خفیہ طور پر یہ طے پایا کہ ۴ مئی ۱۷۹۹ کو دوپہر کے وقت، سرنگا پٹم کے قلعے کی فصیل میں بمباری کے نتیجے میں پڑ جانے والے شگاف کے ذریعے یلغار کر دی جائے۔ سلطان نے اس شگاف کی حفاظت کے لیے وہاں خصوصی فوجی دستے تعینات کیے تھے۔ غدار میر صادق نے دوپہر کا وقت جان بوجھ کر چنا تھا۔ محافظ دستوں کو تنخواہ لینے کے بہانے سے بلا لیا گیا۔ نظام دکن اور انگریز کی متحدہ افواج کسی مزاحمت کے بغیر قلعے میں داخل ہوگئیں۔ اس وقت سلطان کے سامنے دوپہر کا سادہ سا کھانا رکھا تھا۔ ابھی ایک لقمہ بھی حلق سے نیچے نہ اترا تھا کہ باہر شور سنائی دیا۔ پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جب حقیقت سے آگہی ہوئی تو بھوکے شیر نے جو رات کو زمین پر کھدر بچھا کر سوتا تھا اپنی زندگی کے آخری کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا، عمامہ سر پر رکھا جیبی گھڑی جیب میں ڈالی دوربین سنبھالی، تلوار پکڑی اور جنگ کے شعلوں میں کود گیا۔ عقل محو تماشا تھی کیوں کہ یہ صریح خودکشی تھی۔

بقیہ: صفحہ نمبر 28 پر

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ڈاکٹر منظور حسین اختر

اُم المومنین، صدیقہ، حبیبۃ الرسول، المُبرۃ، المُوَفقہ، طیبہ، حبیبۃ المصطفیٰ، حمیراء، بنت الصدیق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام مومنین کی ماں، محبوبہ محبوبِ رب العالمین کے مناقب و مراتب سے کون واقف نہیں۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں اور امام الانبیائؐ کی زوجہ محترمہ ہیں، آپ وہ واحد زوجہ ہیں جنہیں کنواری حالت میں حضور ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل ہے۔

آپ کی ولادت بعثت کے پانچویں سال ماہِ شوال المکرم مطابق ماہِ جولائی 614ء بمقام مکہ مکرمہ، حجاز مقدس میں ہوئی۔ ابن سعد نے طبقات میں آپ کی ولادت نبوت کے چوتھے سال کے آغاز میں لکھی ہے مگر پہلی روایت پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے۔ آپ بحالتِ مسلمانی پیدا ہوئیں ہیں کیونکہ آپ کے والد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی ولادت سے قریباً پانچ سال قبل اسلام لے آئے تھے۔ آپ کا بچپن مکہ مکرمہ میں ہی گزرا اور قریباً 9 سال کی عمر میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ لائی گئیں۔

آپ کی کنیت اُم عبد اللہ ہے۔ عرب میں کنیت اشراف کی شرافت کا نشان تھا اور چونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہ تھی، اِس لیے کنیت بھی نہ تھی۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ سے ازراہِ حسرت عرض کرنے لگیں کہ اور خواتین نے تو اپنی سابقہ اولادوں کے نام پر اپنی اپنی کنیت رکھ لی، میں اپنی کنیت کس کے نام پر رکھوں؟۔ فرمایا: اپنے بھانجے عبد اللہ کے نام پر جو آپ کی بہن اسماء بنت ابی بکر اور زبیر ابن عوام کے بیٹے تھے۔ اس طرح آپ کی کنیت ام عبداللہ ہوئی۔

آپ والد کی طرف سے قریشیہ تیمیہ ہیں اور والدہ کی طرف سے کنانیہ ہیں۔ والد کی طرف سے قبیلہ قریش کی شاخ بنوتمیم سے تعلق ہے اور والدہ کی طرف سے قبیلہ قریش کی شاخ کنانہ سے تعلق ہے۔

والد کی طرف سے نسب

عائشہ بنت ابی بکر الصدیق بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک۔

والدہ کی طرف سے نسب

عائشہ بنت اُم رومان زینب بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع بن وہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

والد کی طرف سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا نسب رسول اللہ ﷺ کے نسب سے مرہ بن کعب پر آٹھویں پشت پر ملتا ہے اور والدہ کی طرف سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا نسب رسول اللہ ﷺ کے نسب سے مالک بن کنانہ پر گیارہویں پشت پر ملتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خوش رو اور صاحب جمال تھیں۔ رنگ سفید تھا جس میں سرخی غالب تھی، اسی لیے لقب حمیرا سے مشہور ہیں۔ لڑکپن میں دبلی پتلی تھیں مگر بعد ازاں فربہی غالب آگئی تو بدن کسی قدر بھاری ہوگیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی پہلی زوجہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم اللہ ﷺ کی زوجیت میں آئیں تو اُس وقت اُن کا سن 40 سال کا تھا اور رسول اللہ ﷺ کا سن مبارک 25 سال کا تھا اور خدیجہ بنت خویلد مزید 25 سال تک شرفِ زوجیت میں رہیں۔ ماہِ رمضان 10 نبوی مطابق اپریل 619ء میں خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا نے 65 سال کی عمر میں مکہ مکرمہ میں وصال فرمایا۔ اُس وقت رسول اللہ ﷺ کا سن 50 سال تھا۔ جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دنیا میں تشریف فرما رہیں حضور نبی کریم ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ غمگین رہنے لگے۔ اسی سال کو عام الحزن قرار دیا گیا۔

حضور ﷺ کو غمگین دیکھ کر جانثاران رسول اللہ ﷺ کو بہت فکر لاحق ہوئی، مشہور صحابی عثمان بن مظعون (متوفی 2ھ/ 624ء) کی زوجہ خولہ رضی اللہ عنہا بنت حکیم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ دوسرا نکاح کر لیں۔ آپ نے فرمایا: کس سے؟ خولہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں، جس کو آپ پسند فرمائیں اُسی کے متعلق گفتگو کی جائے۔ فرمایا: وہ کون ہیں؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بیوہ تو سودہ بنت زمعہ ہیں اور کنواری ابوبکر کی بیٹی عائشہ (رضی اللہ عنہا)۔ ارشاد ہوا: بہتر ہے تم اِن کی نسبت گفتگو کرو۔ خولہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کی مرضی پا کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں اور اُن سے تذکرہ کیا۔ دورِ جاہلیت میں دستور تھا جس طرح سگے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز نہیں، اسی طرح عرب اپنے منہ بولے بھائی کی اولاد سے بھی شادی نہیں کیا کرتے تھے۔ اِس بنا پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: خولہ! عائشہ (رضی اللہ عنہا) تو آپ (ﷺ) کی بھتیجی ہے، آپ سے اُس کا کیونکر نکاح ہوسکتا ہے؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے اِستفسار کیا تو آپ نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے دینی بھائی ہیں اور اس قسم کے بھائیوں کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے قبول کرلیا۔ لیکن اس سے قبل عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت جبیر بن مطعم کے بیٹے سے ہوچکی تھی، اِس لیے اُن سے پوچھنا بھی ضروری تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جبیر سے جا کر پوچھا کہ تم نے عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی نسبت

اپنے بیٹے سے کی تھی، اب کیا کہتے ہو؟ جبیر نے اپنی بیوی سے پوچھا۔ جبیر بن مطعم کا خاندان ابھی اسلام سے آشنا نہیں ہوا تھا، اُس کی بیوی نے کہا: اگر یہ لڑکی (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا) ہمارے گھر آ گئی تو ہمارا بچہ بے دین ہوجائے گا (یعنی بت پرستی چھوڑ دے گا)، ہم کو یہ بات منظور نہیں۔

نکاح کے وقت سیدہ صدیقہ کی عمر مبارک

سیرت کی کتابوں میں عموماً آپ کی عمر نہایت چھوٹی بتائی گئی ہے لیکن تحقیق کچھ اور کہتی ہے، نکاح کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک کے متعلق ماہنامہ دلیل راہ میں کافی عرصہ قبل ایک تحقیقی مضمون شائع ہو چکا ہے۔ اسی عنوان پر منہاج القرآن کے مفتی عبدالقیوم ہزاروی کا ایک فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

السلام علیکم! ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اور رخصتی کس عمر میں ہوئی؟ براہِ مہربانی وضاحت فرمادیں۔ شکریہ

سائل: راشد علی مقام: ملتان شریف

تاریخ اشاعت: 17 ستمبر 2011ء

جواب:

منکرین حدیث نے اس بات کو بہت اچھالا ہے کہ حدیث شریف میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے وقت 9 سال عمر بتائی گئی ہے جو عقل ونقل کی رو سے غلط ہے۔ اس سے غیر مسلموں بلکہ پڑھے لکھے مسلمانوں کو بھی انکار حدیث کا بہانہ مل گیا ہے۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک شادی کے وقت کم سے کم 17 یا 19 سال تھی۔

دلائل: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا طویل العمر صحابیات میں سے ہیں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ ہیں۔ بڑی خدا رسیدہ عبادت گزار اور بہادر خاتون ان کی عمر تمام مؤرخین نے سو سال لکھی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان سے دس سال چھوٹی ہیں۔ سیدہ اسماء حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے پانچ یا دس دن بعد فوت ہوئیں۔ سن وفات 73ھ ہے۔ اس حساب سے سیدہ اسماء کی عمر ہجرت کے وقت 27 سال ہوئی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان سے دس سال چھوٹی ہیں تو آپ کی عمر ہجرت کے وقت 17 سال ہوئی۔ اگر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی 2ھ کو مانی جائے تو رخصتی کے وقت آپ کی عمر مبارک 19 سال ہوئی۔

حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

اسلمت اسماء قديما وهم بمكة في اول الاسلام... وهي آخر المهاجرين والمهاجرات موتا. وكانت هي اكبر من اختها عائشة بعشر سنين.. بلغت من العمر مائة سنة

''اسماء مکہ میں اوائل اسلام میں مسلمان ہوئیں۔ مہاجرین مردوں عورتوں میں سب سے آخر فوت ہونے والی ہیں۔ اپنی بہن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں''۔

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ 8/346 طبع بیروت)

اسلمت قديما بعد اسلام سبعة عشر انسانا... ماتت بمكة بعد قتله بعشرة ايام وقيل بعشرين يوماً وذلك في جمادى الاولى سنة ثلاث وسبعين

''مکہ معظمہ میں سترہ آدمیوں کے بعد ابتدائی دور میں مسلمان ہوئیں۔۔۔ اور مکہ مکرمہ میں اپنے بیٹے (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے دس یا بیس دن بعد فوت ہوئیں اور یہ واقع ماہ جمادی الاولیٰ سن 73ھ کا ہے''۔

(علامہ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب 12 ص 426 طبع لاہور، الامام ابوجعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک ج 5 ص 31 طبع بیروت، حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی م 430ھ، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء 2 ص 56 طبع بیروت)

اسلمت قديما بمكة وبايعت رسول الله صلى الله عليه واله وسلم.. ماتت اسماء بنت ابی بكر الصديق بعد قتل ابنها عبدالله بن الزبير وكان قتله يوم الثلثاء لسبع عشرة ليلة خلت من جمادى الاولى سنة ثلاث وسبعين

''سیدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں قدیم الاسلام ہیں۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔ اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے چند دن بعد فوت ہوئیں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت بروز منگل 12 جمادی الاولیٰ 73ھ کو ہوئی ہے''۔

(محمد ابن سود الکاتب الواقدی 168ھ م 230ھ الطبقات الکبریٰ ج 8/255 طبع بیروت)

كانت اسن من عائشة وهي اختها من ابيها.. ولدت قبل التاريخ لسبع وعشرين سنة

''سیدہ اسماء، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ عمر کی تھیں۔ باپ کی طرف سے سگی بہن تھیں۔ ہجرت سے 27 سال قبل پیدا ہوئیں''۔

(امام ابن الجوزی، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ ج 5 ص 392 طبع ریاض)

اسلمت قديما بمكة قال ابن اسحق بعد سبعة عشر نفسا.. بلغت اسماء مائة سنة ولدت قبل الهجرة لسبع وعشرين سنة

''سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں ابتداءً مسلمان ہوئیں۔ ابن اسحاق نے کہا سترہ انسانوں کے بعد سو سال عمر پائی ہجرت سے 27 سال پہلے پیدا ہوئیں''۔

(شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ 4 ص 230 م 773ھ طبع بیروت، سیرۃ ابن ہشام م 1 ص 271 طبع بیروت، علامہ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ 4، ص 358 طبع بیروت، علامہ ابوعمر یوسف ابن عبداللہ بن محمد بن عبدالقرطبی 363ھ، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب علی ہامش الاصابۃ 463ھ ج 4 ص 232 طبع بیروت، حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی، تاریخ الاسلام ودفیات المشاہیر والاسلام ج 5 ص 30 طبع بیروت، الروض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام ج 1 ص 166 طبع ملتان)

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں سن ہجری کا آغاز نہیں ہوا اور سن عیسوی یا کسی اور سن کا عرب معاشرے میں تعارف یا چلن نہ تھا۔

اہل عرب کسی مشہور تاریخی واقعہ سے سالوں کا حساب کرتے تھے مثلاً واقعہ اصحاب فیل، سے اتنا عرصہ پہلے یا بعد وغیرہ۔ باقاعدہ سن ہجری کا آغاز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کیا اور اس کا آغاز سال ہجرت سے کیا۔

پہلی سن ہجری، دوسری سن ہجری، تیسری سن ہجری میں کم سے کم امکانی مدت۔ پہلی سن ہجری کا آخری دن یعنی 30 ذی الحجہ لیں اور دوسری سن ہجری کا پہلا دن یعنی یکم محرم، دونوں میں وقفہ ایک دن۔ دوسرے رخ

سے دیکھیں پہلی سن ہجری کا پہلا دن یعنی یکم محرم، دوسری سن ہجری کا آخری دن یعنی 30 ذی الحجہ، کل مدت دو سال مکمل۔ دونوں صورتوں میں سن بدل گئے مگر ایک طرف ایک دن ملا اور دوسری طرف پورے دو سال۔ جب تک تاریخ اور مہینہ متعین نہ ہو یہ فرق باقی رہ کر ابہام پیدا کرتا رہے گا۔

آج کل پرنٹ میڈیا کتنی ترقی کر چکا ہے مگر کتابوں میں، اخبارات میں، حد تو یہ کہ قرآن کریم کی طباعت و کتابت میں غلطی ہو جاتی ہے، پہلا دور تو ہاتھوں سے کتابت کا دور تھا، ممکن ہے ''تسع عشر'' انیس سال عمر مبارک ہو، مگر کتابت کی غلطی سے تسع یا تسعارہ گیا اور عشر کا لفظ کتابت میں ساقط ہو گیا ہو، تسع عشر انیس سال کی جگہ تسعاً یا تسع یعنی نو سال باقی رہ گیا اور آنے والوں نے نقل در نقل میں اسی کو اختیار کر لیا کہ نقل کرنے والے اعلیٰ درجہ کے ایماندار، پرہیزگار، علوم وفنون کے ماہر، صحیح وسقیم میں امتیاز کرنے والے، نہایت محتاط لوگ تھے۔ وجہ سقوط کچھ بھی ہونا ممکن نہیں۔ حقائق بہر حال حقائق ہوتے ہیں، ان کے چہرے پر گرد و غبار تو پڑ سکتا ہے مگر ہمیشہ کے لیے اسے مسخ نہیں کیا جا سکتا۔ احادیث کی تمام کتب میں ایسے تسامحات کا ازالہ کیا جانا چاہئے تاکہ بداندیش کو زبان طعن دراز کرنے کی ہمت نہ رہے۔

والله ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی: عبدالقیوم ہزاروی

مقام ومرتبہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اماں صاحبہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے آخری وقت آئے تو فرمانے لگے "ام المؤمنین رضی اللہ عنہا آپ خوش ہو جایئے کہ آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ رہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت سے پیش آتے رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا اور آپ رضی اللہ عنہا کی برأت آسمان سے نازل ہوئی۔

(صحیح بخاری:4753)

ایک مرتبہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہم اپنے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنے لگیں تو ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "میرا نکاح آسمان سے اترا"، اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "میری پاکیزگی کی شہادت قرآن میں آسمان سے اتری جب کہ صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ مجھے اپنی سواری پر بٹھا لائے تھے۔" سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے پوچھا "یہ تو بتاؤ جب تم اس اونٹ پر سوار ہوئی تھیں تو تم نے کیا کلمات کہے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیلُ

(3۔آل عمران:173)

اس پر وہ بول اٹھیں کہ "تم نے مومنوں کا کلمہ کہا تھا"۔

علمی مقام

حضرت عطا رضی اللہ عنہ فرماتے ہے:

كَانَتْ عائشةُ أَفْقَهَ الناسِ وَ أَعْلَمَ الناسِ وَ أَحْسَنَ النَّاسِ رَأْياً فِي العَامَّة

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں سے بڑھ کر فقیہ اور تمام لوگوں سے بڑھ کر عالمہ اور تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اچھی رائے رکھنے والی تھیں''۔

(المستدرک للحاکم، 5/18، ح:6808)

آپ رضی اللہ عنہا علوم قرانیہ، علوم حدیث کی جامع بڑی محدثہ، بڑی فقیہ تھیں۔ کسی نے عرض کیا کہ اے اُمّ المؤمنین! قران سے معلوم ہوتا ہے کہ حج وعمرہ میں صفا و مروہ کی سعی واجب نہیں، صرف جائز ہے کیونکہ اللہ پاک نے فرمایا: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (کہ ان کے سعی میں گناہ نہیں)۔ تو آپ نے جواب دیا: اگر یہ سعی واجب نہ ہوتی تو یوں ارشاد ہوتا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا (کہ ان کے سعی نہ کرنے میں گناہ نہیں)۔ دیکھو! اس ایک جواب میں اُصول فقہ کا کتنا دقیق مسئلہ حل فرمادیا کہ واجب کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کرنے میں ثواب، نہ کرنے میں گناہ، جائز کی پہچان یہ ہے کہ اس کے نہ کرنے میں گناہ نہ ہو۔ یہاں آیت میں پہلی بات فرمائی گئی ہے۔

(مراۃ المناجیح، کتاب المناقب، باب مناقب ازواج النبی، 8/505)

آپ رضی اللہ عنہا کا شانۂ اقدس میں آنے کے بعد دن رات سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار اور صحبتِ بابرکت سے فیض یاب ہونے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چشمۂ علم سے بھی خوب سیراب ہوئیں اور اس بحرِ محیط سے علم کے بیش بہا موتی چُن کر آسمانِ علم ومعرفت کی اُن بلندیوں کو پہنچ گئیں جہاں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم، آپ رضی اللہ عنہا کے شاگردوں کی فہرست میں نظر آنے لگے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جب بھی کوئی گھمبیر اور ناحل مسئلہ آن پڑتا تو اس کے حل کے لئے آپ رضی اللہ عنہا کی طرف رُجوع لاتے، چنانچہ حضرتِ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم اصحابِ رسول کو کسی بات میں اِشکال ہوتا تو اُمُّ المؤمنین حضرتِ عائشہ صِدّیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں سوال کرتے اور آپ رضی اللہ عنہا سے ہی اس بات کا عِلْم پاتے۔

(سنن الترمذی، 5/471، حدیث:3909)

سبق

معلوم ہوا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک معیت کے باعث بہت بڑی عالمہ، محدثہ اور فقیہ تھیں۔ قران پاک میں سارے مسائل موجود ہیں لیکن بعض آیات مجملہ ہیں جو مشکلات تھیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دور فرمائیں اور ان آیات کا صحیح مطلب بیان فرما کر مشکلات کو حل فرمایا: گویا حدیث ہمارے لیے مشکل کشا ہے۔ اسی طرح بعض احادیث میں بھی مشکلات پیش آتی رہیں، خدا تعالیٰ نے فقہا علیہم الرحمہ کی فقہ سے احادیث کی ان مشکلات کو دور فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا محدثہ بھی تھیں اور فقیہ بھی۔ قرآن کی مشکلات کو حدیث سے اور حدیث کی مشکلات کو فقہ سے حل فرما دیتی تھیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث کو سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں کیونکہ خود صحابہ کرام کو بھی بعض اوقات حدیث کی اصل مراد سمجھنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا اور جو کچھ آپ فرما دیتی تھیں اُسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قبول فرما لیتے تھے۔

مروی روایات کی تعداد

آپ رضی اللہ عنہا سے دو ہزار دو سو دس (2210) احادیث مروی ہیں جن میں سے 174 مُتَّفَقٌ عَلَيْه یعنی بُخاری ومسلم دونوں میں، 54 احادیث صرف بُخاری شریف میں اور 68 احادیث صرف مسلم شریف میں ہیں۔

(مدارج النبوۃ، قسم پنجم، باب دُوُم در ذکرِ ازواجِ مطہرات رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ، ۲/ ۴۷۳)۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مارایتُ احداً اَعلمَ بفقه ولا بطبٍ ولا بشعرٍ من عائشة

''میں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے بڑھ کر شعر، طب اور فقہ کا عالم کسی کو نہیں پایا''۔

طب اور مریضوں کے علاج معالجہ میں بھی آپ کو کافی بہت مہارت تھی۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے

ہیں کہ میں نے ایک دن حیران ہو کر حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ اے اماں جان! مجھے آپ کے علم حدیث وفقہ پر کوئی تعجب نہیں کیونکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت اور صحبت کا شرف پایا ہے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوب ترین زوجہ مقدسہ ہیں اسی طرح مجھے اس پر بھی کوئی تعجب اور حیرانی نہیں ہے کہ آپ کو اس قدر زیادہ عرب کے اشعار کیوں اور کس طرح یاد ہو گئے؟ اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نور نظر ہیں اور وہ اشعار عرب کے بہت بڑے حافظ و ماہر تھے مگر میں اس بات پر بہت ہی حیران ہوں کہ آخر یہ طبّی معلومات اور علاج ومعالجہ کی مہارت آپ کو کہاں سے اور کیسے حاصل ہو گئی؟ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آخری عمر شریف میں اکثر علیل (یعنی بیماری تشریف لے آتی) ہو جایا کرتے تھے اور عرب وعجم کے اَطبّاء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دوائیں تجویز کرتے تھے اور میں ان دواؤں سے آپ کا علاج کیا کرتی تھی (اس لیے مجھے طبّی معلومات بھی حاصل ہو گئیں)۔

(شرح الزرقانی علی المواهب، المقصد الثانی، الفصل الثالث فی ذکر ازواجه الطاهرات، عائشة امّ المؤمنين، 4/389 تا 392)۔

آپ رضی اللہ عنہا کے شاگردوں میں صحابہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت ہے اور آپ کے فضائل ومناقب میں بہت سی حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں۔

ام المومنین کی مولا علی کرم اللہ وجہہ بارے روایات

عَنْ جمیع بْنِ عُمَیْرٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ فَقُلْتُ لَهَا: مَنْ كَانَ اَحَبُّ النَّاسِ اِلٰی رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَتْ: اَمَّا مِنَ الرِّجَالِ فَعَلِيٌّ، وَاَمَّا مِنَ النِّسَاءِ فَفَاطِمَةُ.

"جمیع بن عمیر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ تک پہنچا اور میں نے اُن سے پوچھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین شخص کون ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا کہ مردوں میں حضرت علی علیہ السلام اور عورتوں میں جناب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں"۔

(1۔ حاکم، المستدرک میں، جلد 3، صفحہ 154، 157، 2۔ شیخ سلیمان قندوزی حنفی، کتاب ینابیع المودة، باب 55، صفحہ 202، 241۔ 3۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق، باب شرح حالِ امام علی، جلد 2، صفحہ 167، شرح محمودی۔ 4۔ ابن کثیر، کتاب البدایہ والنہایہ میں، جلد 7، صفحہ 355 اور دوسرے۔)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: رَحِمَ اللهُ عَلِيًّا لَقَدْ كَانَ عَلَى الْحَقِّ

"حضرتِ عائشہ کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ علی پر رحمت نازل فرمائے، بیشک وہ حق پر تھے"۔

(ابن کثیر، کتاب البدایہ والنہایہ میں، جلد 7، صفحہ 305، حدیث 14۔)

فضائلِ علی علیہ السلام اُم المومنین حضرتِ عائشہ کی نظر میں

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ ذِكْرُ عَلِيٍّ عِبَادَةٌ.

"ہشام بن عروہ اپنے والد سے اور وہ حضرتِ عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرتِ عائشہ نے کہا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علی کا ذکر کرنا عبادت ہے"۔

1: ابن مغازلی، مناقب میں، حدیث 243، صفحہ 206۔ 2۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق، باب حالِ امام علی، ج2 ص 408 حدیث 914 شرح محمودی، 3: ابن کثیر، کتاب البدایہ والنہایہ میں، جلد 7، صفحہ 358۔ 4: متقی ہندی، کنز العمال میں، جلد 11 صفحہ 601۔ 5: سیوطی، تاریخ الخلفاء میں، صفحہ 172۔ 6: شیخ سلیمان قندوزی حنفی، ینابیع المودة، باب مناقب السبعون، ص 281، حدیث 46 اور 312۔)

حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا بارے حضرت ام المومنین کے فرمودات

حضرت علامہ حافظ سخی احمد دامت برکاتہم نے ایک کتاب "حبیبۃ الرسول کا بضعۃ الرسول سے ادب و عشق" رقم فرمائی ہے اس کتاب میں سے چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

حافظ سخی احمد فرماتے ہیں:

"اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تو وظیفہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی یہ تھا کہ وہ سیدہ پاک بتول زہرا علیہا السلام کی زیارت کرتیں تو خوشبوئے رسول، جمالِ رسول، کمالِ رسول اور عکسِ رسول کو سیدہ کے وجود میں محسوس کرتیں اور پھر وجد و وجل کی والہانہ کیفیت اور جذبے سے سرشار ہو کر کبھی اُن کی گفتار کا ذکر کرتیں، کبھی اُن کے عظمت مآب کردار کا مُبارک عنوان بیان کرنے لگ جاتیں، کبھی اُن کی نشست و برخاست کا ذکر چھیڑ دیتیں تو کبھی سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے تاجدارِ ھل اتی کی عظمتوں کے ترانے بہ بانگ دہل سنانے لگ جاتیں۔

عشق و محبت کی یہ ساری ادائیں ہمیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کا حصہ دکھائی دیتی ہیں، اسی لیے حضرت سیدہ فاطمہ پاک بتول اور اُن کے شوہر حضرت مولا مشکل کشا علی المرتضیٰ کے فضائل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات نہایت نمایاں ہیں۔ وہ کبھی سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آمد کی بات کرتیں اور کبھی سراجِ منیر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جانے کی باتوں سے اپنے دل کے جذبوں کو تسکین فراہم کرتیں۔ امام ابوداؤد کی گواہی ملاحظہ ہو:

عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ، عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا

"حضرت عائشہ بنت طلحہ حضرت اُمّ المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں:

أَنَّهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَشْبَهَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلًّا

"آپ فرماتی ہیں کہ میں نے طور طریق، چال ڈھال اور نشست و برخاست میں فاطمہ علیہا السلام سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ نہیں دیکھا"۔

وَقَالَ الْحَسَنُ: حَدِيثًا، وَكَلَامًا، وَلَمْ يَذْكُرِ الْحَسَنُ السَّمْتَ، وَالْهَدْيَ، وَالدَّلَّ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَةَ كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهَا

"حسن کی روایت میں ہے کہ میں نے گفتگو و کلام میں حضرت فاطمہ کرم اللہ وجہا سے بڑھ کر کسی اور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ نہیں دیکھا"۔

امام ترمذی بھی اسی گواہی کو مؤکد کر رہے ہیں کہ جمال و سیرت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلاش کرنا ہی وہ مشق اور وظیفہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کبھی قضا نہیں کیا۔

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَتْ: »مَا

رَأَيْتُ أَحَدًا أَشْبَهَ سَمْتًا وَدَلًّا وَهَدْيًا بِرَسُولِ اللّٰهِ فِي قِيَامِهَا وَقُعُودِهَا مِنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(سنن ترمذی)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ کائنات حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی آپس میں محبت:

علامہ حافظ سخی احمد اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

''تسبیح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ اور فضیلت بیان کرنے والوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں کہ جنہیں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی مشکلات بیان کیں اور خادمہ کی ضرورت کا ذکر فرمایا اور اُمّ المؤمنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت سیدہ پاک علیہا السلام کی تشریف آوری، اُن کے مسائل اور خادمہ کی ضرورت کو کچھ اس طرح بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسی وقت حضرت سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے کاشانۂ اقدس تشریف لے گئے۔

امام بخاری کے ہی الفاظ روایت ملاحظہ ہوں:

حَدَّثَنَا عَلِيٌّ، أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ اشْتَكَتْ مَا تَلْقَى مِنَ الرَّحَى مِمَّا تَطْحَنُ

''حضرت مولا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کو چکی پیسنے کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچی''۔

فَبَلَغَهَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِسَبْيٍ، فَأَتَتْهُ تَسْأَلُهُ خَادِمًا، فَلَمْ تُوَافِقْهُ

''حضرت سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ قیدی لائے گئے ہیں تو سیدہ پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خادم کا مطالبہ لے کر حاضر ہوئیں مگر جب تشریف لائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہیں تھے''۔

فَذَكَرَتْ لِعَائِشَةَ

''لہٰذا آپ نے اپنے سارے معاملے کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا اور واپس تشریف لے گئیں''۔

فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ عَائِشَةُ لَهُ

''پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سارا معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کیا''۔

فَأَتَانَا، وَقَدْ دَخَلْنَا مَضَاجِعَنَا، فَذَهَبْنَا لِنَقُومَ، فَقَالَ: عَلَى مَكَانِكُمَا

''حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس اُس وقت تشریف لائے جب کہ ہم بستر میں تھے۔ ہم جلدی سے اُٹھنے لگے تو ارشاد فرمایا کہ اپنی جگہ پر ہی رہو''۔

حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَيْهِ عَلَى صَدْرِي

'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ ہی تشریف فرما ہوئے یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی''۔

فَقَالَ: أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلَى خَيْرٍ مِمَّا سَأَلْتُمَاهُ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمانے لگے: کیا میں تمہیں اُس سے بہتر چیز کی خبر نہ دے دوں کہ جس کا تم دونوں نے مطالبہ کیا ہے''۔

إِذَا أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا فَكَبِّرَا اللّٰهَ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ، وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ

''جب تم دونوں اپنے بستر میں استراحت کے لیے جاؤ تو 34 بار اللہ اکبر، 33 بار الحمد للہ اور 33 بار ہی سبحان اللہ پڑھ لیا کرو''۔

فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ لَكُمَا مِمَّا سَأَلْتُمَاهُ

(بخاری شریف)

یہ تمہارے لیے اُس سے بہتر ہے جس کا تم دونوں نے مطالبہ کیا ہے۔

چند غور طلب باتیں

❁ حدیث کے راوی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔

❁ اُس موقع پر آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نَو ازواج موجود تھیں۔ اس کا آسان مطلب یہ ہے کہ نَو حجرات میں سے سیدہ پاک علیہا السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف فرما ہونا دو باتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

❁ سیدہ پاک سلام اللہ علیہا جانتی بھی تھیں اور مانتی بھی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ازواج میں سے سب سے زیادہ محبوب ہستی حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

❁ نیز حضرت سیدہ پاک بتول زہرا رضی اللہ عنہا باقی ازواج طیبات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ بے تکلفی سے بات فرما لیا کرتی تھیں۔

اسی لیے تو براہِ راست حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لائیں۔ ایسا نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈھونڈتے ہوئے پہلے باقی حجرات سے ہوتے ہوئے حجرۂ عائشہ میں آئی ہوں۔

❁ فَذَكَرَتْ لِعَائِشَةَ، حضرت سیدہ فاطمہ پاک رضی اللہ عنہا نے سارا معاملہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بیان کیا یعنی کام کا بوجھ، عائلی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں مشکلات کا سامنا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قیدیوں کے آنے کی خبر کا تذکرہ اور اُن قیدیوں میں سے ایک خادم کی ضرورت وغیرہ ''فذکرت لعائشہ'' کے الفاظ اس بے تکلفی اور محبت کو ظاہر کرتے ہیں جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھی۔

❁ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ عَائِشَةُ لَهُ، یہ الفاظ محبت عکاس ہیں اُن جذبوں کے والہانہ پن کا جو حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت سیدہ فاطمہ پاک بتول رضی اللہ عنہا کی ذاتِ والا شان کے ساتھ وابستہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بے تابی و بے چینی کے ساتھ سارا معاملہ یوں بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔

❁ وہاں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مولا علی اور سیدہ فاطمہ کرم اللہ وجھہما سے یہ دریافت نہیں کیا کہ اے میری لختِ جگر! اے میری پیاری بیٹی! آپ کیوں تشریف لائی تھیں؟ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلَى خَيْرٍ مِمَّا سَأَلْتُمَاهُ۔۔۔۔۔۔

یہ الفاظ واضح کر دیتے ہیں کہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تمام کا تمام معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کس قدر تفصیل اور دردمندی کے ساتھ بیان کیا تھا۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اندازِ عقیدت و محبت پر قربان! کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پیغام رساں بن گئیں اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اعتماد کا مظہر ٹھہریں''۔

وصال مبارک

17 رمضان شب سہ شنبہ (بروز منگل) 57ھ یا 58ھ

میں مدینہ منورہ کے اندر آپ رضی اللہ عنہا کا 66 سال کی عمر میں وصال ہوا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق رات میں لوگوں نے آپ کو جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی قبروں کے پہلو میں دفن کیا۔ (المواہب اللدنیۃ وشرح الزرقانی، باب عائشۃ ام المؤمنین، ج ۴، ص ۳۹۲)۔ اللہ پاک اُمّ المؤمنین کے درجات میں مزید بلندیاں عطا فرمائے اور ہمیں ان کے علمی فیضان سے وافر حصہ مرحمت فرمائیں۔ آمین بجاہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بنتِ صدّیق آرامِ جانِ نبی
اُس حریمِ برائت پہ لاکھوں سلام
یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ
ان کی پُرنور صورت پہ لاکھوں سلام

بقیہ: ٹیپو سلطان

جس انداز میں سلطان نے انگریز افواج کو ناکوں چنے چبوائے تھے۔ ان کی نسلوں کو بھی یاد ہے اور ان پر ٹیپو سلطان کے خوف اور دہشت کا عالم یہ تھا کہ شہادت کے بعد بھی ان کی نعش کے قریب جانے سے گریزاں تھے۔ بہر حال یہ المیہ 4 مئی 1799ء کو سرنگا پٹم کے میدان میں ہوا۔ ان کا زندہ جاوید یہ جملہ آج حریت فکر اور جرات و جوانمردی کا استعارہ ہے:

''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے''۔

شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں عالم ارواح میں ٹیپو سلطان سے ملاقات کی اور سوال جواب اشعار کی صورت میں تحریر کیے جو کہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان کے ایک شعر کا مطلب ہے:

'' یہ وہ گوہر (ٹیپو سلطان) ہے۔ جس کی تدبیر سے صحرا بہشت کی صورت اختیار کر گئے۔ جب مشرق سویا ہوا تھا وہ بیدار تھا۔ اس نے مغرب سے ٹکر لی اور جام شہادت نوش کر گیا''۔

سلطان نے غلامی پر موت کو ترجیح دی۔ ٹیپو سلطان کی شخصیت اور کردار اور ان کے تاریخی مقام کو مدِنظر رکھتے ہو علامہ اقبال نے ان کی تخیلاتی وصیت منظوم کی۔ گویا اقبال کی نظر میں اگر ٹیپو سلطان کو موقع ملتا تو وہ ایسی وصیت لکھتے۔ ضرب کلیم کی یہ نظم یہاں قارئین کرام کی نظر کرتا ہوں:

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جُوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تُند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صَنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز! گرمیِ محفل نہ کر قبول
صُبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو، وہ دِل نہ کر قبول
باطل دُوئی پسند ہے، حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

انگریز کا خیال ہی نہیں اسے یقین تھا کہ ہندوستان پر قابض ہونے کے سامنے صرف سلطان ہی مضبوط دیوار ہے اگر یہ گر جائے تو پھر سامنے کوئی بھی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ جب جنرل ہیرس کو سلطان کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے با آواز بلند کہا:

''اب ہندوستان ہمارا ہے''

قارئین کرام! اگر ٹیپو سلطان اپنے ارادوں اور عزائم میں کامیاب ہو جاتے تو ہندوستان کی تاریخ ہی کچھ اور ہوتی۔ آخر میں ہندوستانی پروفیسر نائر صاحبہ کی ایک چشم کشا تحریر پیش ہے:

''ٹیپو سلطان ایک بہت پیچیدہ اور مرکب و مخلوط قسم کی شخصیت ہیں۔ بدقسمتی سے آج ہم ایک ایسی صورتحال میں ہیں جہاں تاریخی نقطہ نظر سے ان کے بارے میں مثبت بات کرنا ملک دشمنی ہے۔ یہاں یہ بتا دوں کہ ناسا کے پاس ٹیپو سلطان کی ایک تصویر ہے کیونکہ وہ راکٹ کے فروغ اور اس کی ٹیکنالوجی کو ترقی دینے والوں میں پیش پیش تھے جسے بعد میں انگریزوں نے چوری کر لیا تھا۔ بدلتے سیاسی تناظر میں ایک قومی ہیرو کے طور پر ٹیپو سلطان کی شبیہ متاثر ہوئی ہے۔ یہ ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں نئے چہرے اور نئے نام پیدا کرنے کے منصوبے کے تحت دانستہ طور پر کیا جا رہا ہے''۔

عقلمند لوگ

ہمارے دور کا المیہ مادیت کے طوفان ہیں۔ مادہ پرستی انسان میں بیزاری پیدا کرتی ہے۔ روحانی شخصیات کبھی بے زار نہیں ہوتیں۔ وہ لوگ جو اصحاب نسبت ہوتے ہیں اور ان کی نسبتیں شریعت اور سنت مطہرہ کا حنوط لیے ہوتی ہیں۔ وہ کبھی غیر معتدل، بے زار، ناامید اور قنوطیت کا شکار نہیں ہوتے۔ ایک بڑا مسئلہ ضرور ہے کہ لوگ سکون، امید اور محبت کی تلاش میں خانقاہوں کی طرف دوڑتے ہیں لیکن رجال اللہ کی ملاقاتوں کی بجائے ڈبے پیران کا استقبال کرتے ہیں۔ اللہ والوں کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ توڑتے نہیں جوڑتے ہیں۔ یہی لوگ اصل میں عقل مند ہوتے ہیں۔ خوشیوں کے جھرنے انہی کے آستانوں سے پھوٹتے ہیں۔ یہ لوگ جلد باز نہیں ہوتے۔ حلفاً یہ بات لکھی جاتی ہے کہ صاحب یقین شخص کی زندگی انتہائی محتاط ہوتی ہے۔ وہ عواقب کو پڑھنے والا ہوتا ہے۔ ایسی ہستیاں کم ہیں لیکن یہ بیدار مغز لوگ نہ ہوں تو زمین فنا ہو جائے۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: نائس بیکرز اینڈ سویٹس ہاؤس

اولیائے دھلی

محمد امین شرقپوری

لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا مزار درگاہِ قدم شریف سے شاہجہاں آباد کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں ملتا ہے۔ حضرت کا مزار نہایت پرانا اور گنبد زمانہ قدیم کے طرز پر بنا ہوا ہے۔ حضرت کا نام شاہ امان درویش دہلوی ہے اور حضرت سید شاہ عبد الغفور عرف بابا کپور کے خلیفہ ہیں، حضرت کے پیرو مرشد نے آپ کو لعل شہباز کا خطاب دیا تھا۔ چنانچہ حضرت خود فرماتے ہیں کہ جس طرح اکسیر ڈالنے سے تانبہ سونا ہو جاتا ہے اور آفتاب کے اثر سے پتھر لعل بے بہا بن جاتا ہے اسی طرح تصورِ شیخ سے وہ مرید جو شیخ کا منظور نظر ہو لعل شہباز ہو جاتا ہے۔ مرید کو جو عروج حاصل ہوتا ہے وہ صرف شیخ کے طفیل سے ہوتا ہے۔ لعل شہباز ایسا خطاب تھا کہ شیخ کی اکسیر نظر نے حضرت کے تانبہ کے وجود کو سونا بنا دیا اور ان کی نظر نے حضرت کے وجود کے پتھر کو لعل بے بہا بنا دیا۔ حضرت سلسلہ عداریہ قلندریہ کے بزرگ ہیں اور جو سلسلہ آپ سے جاری ہوا وہ لعل شہبازی کہلاتا ہے۔ حضرت لعل شہباز نامی ایک بزرگ کا مزار سندھ میں بھی ہے جو حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کے مرید و خلیفہ تھے۔

خدا نما

حضرت خدا نما کا اسم مبارک میر محمد افضل ہے، حضرت بڑے عارف و کامل شیخ عصر تھے۔ حضرت کی نگاہِ فیض و ارشاد سے ہزاروں آدمی مرتبہ ولایت کو پہنچے، ایک طویل عرصہ تک مسند ارشاد پر بیٹھے طالبانِ خدا کو ہدایت کرتے رہے۔ اسی لیے خدا نما لقب پایا۔ تارک الدنیا، متوکل، بے ریا، عشق و محبت میں یگانہ تھے۔ ایک جھونپڑی میں پڑے رہتے تھے اکثر درویش دن رات حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ حضرت نے مجاہدے و ریاضتیں بھی بہت کی ہیں اور استغراق و جذب حضرت کے مزاج پر غالب تھا۔

حضرت نے ربیع الاول 1106ھ میں بادشاہ عالمگیر کے دورِ حکومت میں رحلت فرمائی۔ حضرت کا مزار مقابل محل بو علی بختیاری ایک چار دیواری میں ہے۔

رسول نما

حضرت رسول نما کا اسم گرامی سید حسن ہے۔ حضرت موسیٰ کاظم کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت ولی کامل و صاحب کرامات تھے اور جس کو چاہتے تھے حضور رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف کرا دیتے تھے، اسی لیے حضرت کا لقب رسول نما مشہور ہوا۔ حضرت اپنے نواب خاں نے اپنے وعدہ سے منحرف ہونے کی توبہ کی۔ حضرت 21 شوال 1152ھ میں محمد شاہ کے عہد میں انتقال فرمایا۔ حضرت کا مزار بیرون اجمیری دہلی دروازہ مدرسہ غازی الدین خان کا شمال مغرب میں ایک تہہ خانہ میں ہے۔

مرزا مظہر جان جاناں شہید

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید علوی سید ہیں۔ حضرت کے آباؤ واجداد امرائے نام دار سے تھے اور سلاطین تیموریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ہمیشہ دنیا داری سے الگ تھلگ رہے۔ آپ کو خداوند تعالیٰ کے عشق و محبت کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ علوم ظاہری میں دست گاہِ کامل رکھتے تھے۔ حضرت کا فارسی میں ایک دیوان اور اردو میں بے شمار غزلیں بھی موجود ہیں۔ حضرت شعر فہمی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ حضرت بعض اساتذہ کے کلام میں سے شعر منتخب کر کے خریطہ جواہر کے نام سے شائع کر چکے ہیں۔ کہتے ہیں حضرت بہت ہی حسین و نازک مزاج تھے۔ حضرت پہلے سید نور محمد بدایونی کے مرید ہوئے اور ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ پھر حافظ سعد اللہ اور حافظ محمد عابد اور حاجی محمد افضل اور مولانا فخر الدین چشتی و خواجہ میر درد کے ہمعصر تھے۔ حضرت کا ایک مرید عظیم آباد گیا تھا اس کے بھائی نے آ کر کہا کہ سنا ہے وہ قید ہو گیا ہے۔ آپ اس کی رہائی کی دعا کیجیے، حضرت نے فرمایا وہ قید نہیں ہوا کل اس کا خط آئے گا جو اس نے لکھا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک بوڑھے نے آ کر کہا کہ میں دیکھنے آیا ہوں کہ طنطنہ جان جاناں رحمانی ہے یا شیطانی، حضرت کو غصہ آ گیا۔ تیز نظر سے اس کی طرف دیکھا وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا اور آواز سے کہا میں نے توبہ کی خدا کے واسطے مجھے معاف کیجیے، جب اس نے خدا کا واسطہ دیا حضرت نے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا۔ حضرت کو شہادت کی آرزو تھی، ایک مخالف نے بندوق سے حضرت پر فائر کر دیا، دو دن تکلیف سے بے چین رہے اور یہ شعر پڑھتے رہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

بادشاہِ وقت نے کہلا بھیجا کہ آپ قاتل کا نام بتائیں ہم اس کو کڑی سزا دیں گے، حضرت نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ اس شخص کو سزا دی جائے جس نے میری آرزو پوری کر دی، حضرت نے 9 محرم 1195ھ کو جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت مولانا فخر الدین چشتی نے نماز جنازہ پڑھائی، حضرت کا مزار خانقاہ شاہ غلام علی میں ہے، جو ترکمان دروازہ سے چتلی قبر کو آتے ہوئے داہنی طرف بڑھتی ہے۔

شاہ عبداللہ

حضرت شاہ عبد اللہ حضرت سید عبد اللطیف متوطن وتالہ کے فرزند ہیں۔ حضرت کو شاہ غلام علی کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ حضرت کے والد شاہ نصیر الدین قادری کے مرید تھے۔ جب سولہ برس کے ہوئے تو حضرت کے والد نے اپنے پیر و مرشد شاہ نصیر الدین سے بیعت کرانے کے خیال سے حضرت کو دہلی بلایا، جب حضرت دہلی پہنچے تو شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔ تب والد ماجد کے ساتھ بخارا سے ہندوستان آئے اور موضع موہاں میں قیام فرمایا پھر آگرہ تشریف لا کر مسجد

جامع کے قریب چلہ کشی فرمائی ، پھر وہاں سے نارنول اپنے عمِ بزرگوار میران تاج الدین شیر سوار چشتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیض چاہا اور حضرت شیر سوار کے حسبِ ارشاد مجاہدے کیے ، چنانچہ ان کی توجہ و برکت سے حضرت مجلس رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہونے لگے اور اس مجلس میں حضرت اویس قرنی سے بیعت ہوئے اور بطریق اویسیہ فیض حاصل کرتے رہے ۔ بیعت ظاہری حضرت موسیٰ قادری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی ۔ درویشوں کی ایک جماعت اور بے شمار طالب علم آپ کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہتے تھے ۔ جو کچھ فتوحات سے آتا تھا ۔ سب شام تک صرف کر دیتے تھے ، توکل ق قناعت حضرت کو اس قدر تھا کہ کبھی کسی امیر کے گھر نہ گئے ۔ دولت مند اور صاحب ثروت لوگوں کی آمد و رفت آپ کو پسند نہیں تھی ، درویشوں ، مسکینوں اور مسافروں کی تیمارداری کرتے تھے اور طالب علموں میں نہایت شفقت سے بیٹھتے تھے ۔

ایک بیگم نے اپنے خواجہ سرا کے ہاتھ دو ہزار روپے حضرت کی خدمت میں بھیجے اور درخواست کی کہ اس بندی کو اولاد نہیں ہوتی ، ہر مرتبہ حمل ساقط ہو جاتا ہے ، حضرت نے سنتے ہی فرمایا کہ فقیر یہاں اور بیگم وہاں اگر نزدیک ہوتی تو میں اپنا پاؤں رکھ دیتا تاکہ حمل پھر کبھی ساقط نہ ہوسکے ۔ خواجہ سرا یہ سن کر خوش ہوا اور بیگم کو جا کر خوش خبری سنائی ۔ مقررہ مدت کے بعد بیگم کو بچہ پیدا ہوا ۔ حضرت نے 1103ھ میں عالمگیری دورِ حکومت میں رحلت فرمائی ، حضرت کو آپ کے مدرسہ کے صحن میں دفن کیا گیا ۔ حضرت کا مزار بیرون دہلی پہاڑ گنج کے گوشہ غرب و جنوب میں واقع ہے ۔

شاہ گلشن

حضرت شاہ گلشن کا اسم مبارک شاہ سعد اللہ اور تخلص گلشن ہے اس لیے شاہ گلشن مشہور ہو گئے ۔ حضرت بہت بلند پایہ شاعر اور معاصر مرزا بیدل کے ہیں ۔ حضرت خواجہ عبدالاحد مجددی کے خلیفہ ہیں ۔ کمالات ظاہری و باطنی وعلوم شریعت وطریقت میں جامع تھے ۔

ریاضت شاقہ فرماتے تھے ۔ اور عموماً جامع مسجد دہلی میں رہتے تھے دو تین دن میں تین لقموں سے زیادہ نہ کھاتے تھے اور دو تین گھونٹ پانی مسجد کے حوض سے پی لیتے تھے ۔ اکثر غذا حضرت کی خربوزہ ، تربوز ، ترکاریوں کے چھلکے ہوتے تھے ۔ جو بازار سے جمع کرا لیتے اور دھو کر نوش فرماتے تھے ۔ ایک دفعہ حضرت مسجد میں بیٹھے تھے ۔ ایک طوائف بنی ٹھنی مسجد کے سامنے سے گذر رہی تھی ۔ حاضرین نے عرض کیا یا حضرت اس عورت پر توجہ کیجیے تاکہ یہ راہِ راست پر آ جائے ، حضرت نے تامل کیا ، جب یاروں نے اصرار کیا تو حضرت نے توجہ کی دو گھڑی بعد وہ عورت سر کے بال نوچتی ، کمبلی اوڑھے روتی ، توبہ کرتی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور مرید ہوئی ۔

حافظ سعد اللہ

حضرت حافظ سعد اللہ حضرت شیخ محمد صدیق کے خلیفہ تھے ۔ حضرت کو اپنے پیر و مرشد سے بے پناہ عقیدت تھی ، 30 سال تک حضرت اپنے شیخ کی خانقاہ میں پانی بھرتے رہتے ۔ جس سے حضرت کے سر کے بال جھڑ گئے تھے ۔ ایک دفعہ حضرت کے پیر نے حضرت کو احمد آباد بھیجا تھا تو پیر و مرشد کی جدائی میں روتے روتے حضرت کی بینائی خراب ہو گئی تھی ۔ ایک مرتبہ نواب خاں فیروز جنگ نے حضرت سے کہا کہ سید حسن رسول نما جس کو چاہتے تھے حضور کی زیارت کرا دیتے تھے ۔ آپ کا یہ مرید بھی اس نعمت کا امیدوار ہے ۔ حضرت نے نواب خاں سے کہا کہ آج رات کو سورہ فاتحہ پڑھ کر حضور رسول اللہ ﷺ کی قدم بوسی کا خیال کر کے سو جانا ، نواب خاں نے ایسا ہی کیا اور رات خواب میں حضور رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا ۔ صبح ارادہ کیا کہ پانچ سو روپے پیر و مرشد کی نذر کروں گا ۔ پھر خیال آیا کہ آج رات کو اور زیارت ہو جائے تو دونوں روز کا نذرانہ اکٹھا لے جاؤں گا ۔ دوسری شب کو بھی حضور رسول مقبول ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ۔ مگر نواب خاں صرف پانچ سو روپے لے کر پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا ، حضرت نے فرمایا یہ تو پہلے دن کا نذرانہ ہے ، دوسرے دن کا نذرانہ نہیں لائے ۔ حضرت کے والد محترم نے حضرت کو اجازت دی کہ تم جہاں چاہو مرید ہو سکتے ہو ، حضرت مرزا مظہر کے مرید ہوئے اور خلافت کو پہنچے ، حضرت اکابر مشائخین ، متصوفین ، متاخرین سے ہیں ۔ حضرت مرزا مظہر کی رحلت کے بعد آپ ان کے جانشین ہوئے اور ہزاروں تشنگانِ فیض باطن کو آپ نے سیراب کیا ۔ بے شمار کرامات حضرت کی ذات بابرکات سے وابستہ ہیں ۔

ایک عورت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بیماری سے نجات پانے کی درخواست کی ، حضرت اس وقت نان و کباب تناول فرما رہے تھے ۔ اس میں سے ایک نان اور تھوڑا کباب اس عورت کو بطور تبرک دیا ، جب وہ گھر میں آئی دیکھا تو کباب حلوہ ہو گیا ، عورت نے خیال کیا کہ مریض جان بر نہ ہو گا اور ایسا ہی ظہور میں آیا ، اسی طرح حضرت کے مرید مولوی کرامت اللہ درد ذات الجنت میں مبتلا تھے ، حضرت نے درد کی جگہ دست مبارک ملا ، اسی وقت درد جاتا رہا ۔ حضرت نے 12 صفر 1240ھ میں اکبر شانی ثانی کے عہد میں انتقال فرمایا اور اپنے پیر کے برابر مدفون ہوئے ۔

شاہ محمد علی

حضرت شاہ محمد علی مرشدِ کامل ، ناصح اکمل ، شریعت کے پابند صاحب سوز و گداز تھے اور ارشاد و ہدایت خلق ضلع گجرات میں مصروف تھے ۔ جب وہاں چیت سنگھ نے گاؤکشی منع کر دی ۔ حضرت نے حضور رسول اللہ ﷺ کی مجلس فاتحہ کا اہتمام کیا اور بے شمار درویش حضرت کے لنگر سے سیر ہو کر نکلے ۔ چیت سنگھ یہ سن کر بہت برہم ہوا اور حضرت کا دشمن ہو گیا اور طرح طرح کی اذیتیں حضرت اور ان کے رفقاء کو پہنچانے لگا ، جب دشمن کا ظلم و ستم بہت بڑھ گیا تو حضرت اپنے یارو دوستوں کے ساتھ دہلی چلے آئے اسی زمانے میں اس نے ایک درخواست بادشاہ فرخ سیر کے پاس بھیجی کہ یہ فقیر مکار جادوگر یہاں سے دہلی پہنچا ہے اور وہاں پہنچ کر لوگوں کو گمراہ کرے گا ۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے ، بادشاہ کے حکم سے حضرت کو آپ کے ہمراہیوں کے ساتھ مسجد جوہیں میں قید کر دیا ۔ اس اثناء میں کسی بزرگ نے خواب میں بادشاہ پر عتاب کیا ۔ کہ اس بزرگ کو جلد رہائی دی جائے ورنہ غضب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے بادشاہ نے بیدار ہوتے ہی خواجہ سراؤں کو حضرت کے پاس بھیجا کہ معذرت کے ساتھ حضرت کو قید سے آزاد کر دیں ۔ اور حضرت جہاں چاہیں رہیں چنانچہ جب بادشاہ کے حکم کی تعمیل ہوئی ، حضرت اپنے رفیقوں کے ساتھ جامع مسجد میں آ کر اقامت گزیں ہوئے اور طالب علموں کو ارشاد و ہدایت دینے میں مصروف ہوئے ۔ حضرت نے 15 رمضان 1131ھ میں بہ عہد رفیع الدولہ انتقال فرمایا ، حضرت کا مزار الملی کی پہاڑی پر مسجد کے صحن میں واقع ہے ۔

(بشکریہ ماہنامہ آئینہ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک کیسے گذارا؟

علامہ محمد ارشد

روزہ دو شعبان دو ہجری سوموار کے روز فرض ہوا۔رسول اللہ ﷺ کی ولادت بھی سوموار کے روز ہوئی۔رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات میں 9 مرتبہ رمضان کے روزے رکھے۔رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے قبل ان ایام میں رسول اللہ ﷺ غار حرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔اور ایک ماہ تک وہاں تشریف فرما رہتے۔

آیئے! مختصر انداز میں جانتے ہیں کہ رمضان المبارک کے بابرکت موقع پر رسول اللہ ﷺ کے معمولات کیا تھے۔

نمبر1:۔رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک سے محبت فرماتے اور اسے پانے کی دعا فرماتے۔اسی لیے اسلاف چھ ماہ رمضان پانے کی دعا کرتے اور چھ ماہ اس کی قبولیت کی دعا کرتے۔

نمبر2:۔رسول اللہ ﷺ شعبان المعظم میں کثرت کے ساتھ روزے رکھ کر رمضان المبارک کی تیاری فرماتے۔

نمبر3:۔رسول اللہ ﷺ شعبان کا جتنا خیال فرماتے اتنا کسی دوسرے ماہ کا نہ فرماتے یعنی چاند دیکھنے کا خصوصی اہتمام خود بھی فرماتے اور صحابہ کو بھی دن شمار کرنے کی تلقین فرماتے۔

نمبر4:۔شعبان کے آخری دن اگر مطلع ابر آلود ہوتا تو شعبان کے تیس دن پورے فرماتے اور اس دن روزہ نہ رکھتے۔

نمبر5:۔رمضان کے چاند کی کوئی ایک بندہ بھی گواہی دیتا تو آپ ﷺ اسے قبول فرماتے اور روزہ رکھنے کا حکم فرماتے۔

نمبر6:۔رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر مخصوص دعا کرنے کا معمول تھا

نمبر7:۔جب رمضان المبارک آتا تو رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوجاتا صرف اس اندیشے کے پیش نظر کہ کہیں عبادت میں کوئی کمی نہ واقع ہوجائے۔

نمبر8:۔رمضان المبارک کی آمد پر صحابہ کو مبارکباد دیتے۔

نمبر9:۔رمضان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اچھے طریقے سے خوش آمدید فرماتے۔

نمبر10:۔شعبان کے آخری دن استقبال رمضان کے حوالہ سے خطبہ ارشاد فرماتے۔

نمبر11:۔تلاوت قرآن مجید کی کثرت فرماتے۔

نمبر12:۔حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر سال رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ مجھے مکمل قرآن مجید سناتے اور وصال کے سال دو دفعہ قرآن مجید سنایا۔

نمبر13:۔حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور فرماتے۔اور آخری رمضان میں دو مرتبہ دور فرمایا۔

نمبر14:۔رمضان کے علاوہ ایام میں بھی رسول اللہ ﷺ سخاوت فرماتے لیکن رمضان المبارک میں سخاوت میں اضافہ فرمادیتے۔صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی سخاوت کی برسات کو تیز ہوا سے بھی زیادہ دیکھتے تھے۔

نمبر15:۔سخاوت کی ایک صورت یہ ہوتی کہ قیدیوں کو آزاد فرماتے۔

نمبر16:۔مسواک کے ساتھ رسول کریم ﷺ کا بہت پیار تھا۔حالت روزہ میں بھی آپ مسواک فرمایا کرتے تھے۔

نمبر17:۔رسول اللہ ﷺ حالت روزہ میں پچھنے لگواتے۔

نمبر18:۔روزہ کی حالت میں آپ ﷺ آنکھوں میں سرمہ لگالیتے تھے۔

نمبر19:۔ہر ہفتہ کے دن قبا تشریف لے جانا رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا۔سترہ رمضان کو بھی آپ قبا تشریف لے جاتے۔

نمبر20:۔اگر گرمی شدید ہوتی تو حالت روزہ میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے سر اقدس پر پانی ڈالتے۔

نمبر21:۔روزہ رکھنے کی فضیلت بیان فرماتے۔

نمبر22:۔روزہ کی برکات کے ساتھ ساتھ روزہ دار کا مقام بھی بیان فرماتے۔

نمبر23:۔روزہ رکھنے کی نیت فرماتے۔

نمبر24:۔رمضان المبارک میں رسول کریم ﷺ سحری تناول فرماتے اور اسے مبارک غذا قرار دیتے۔

نمبر25:۔رسول اللہ ﷺ افطاری کی طرح سحری میں بھی کھجور تناول فرماتے۔اور اسے بہترین سحری قرار دیا۔

نمبر26:۔اپنی امت کو بھی سحری کرنے کی تلقین فرمائی۔

نمبر27:۔سحری آخری وقت میں فرماتے اور امت کو بھی سحری میں تاخیر کا حکم دیتے۔اتنی تاخیر درست نہیں کہ اذان شروع ہوجائے۔

نمبر28:۔روزہ کے آداب بیان فرماتے۔

نمبر29:۔حالت سفر میں روزہ رکھنا بھی سنت ہے اور کبھی چھوڑنا بھی سنت ہے۔

نمبر30:۔سفر کی وجہ سے اگر روزہ نہ رکھتے تو اس کی قضا عشرہ ذوالحجہ میں فرماتے۔

نمبر31:۔غروب آفتاب کے وقت اگر رسول اللہ ﷺ ایسی جگہ تشریف فرما ہوتے جہاں سے سورج غروب ہوتا دکھائی دیتا تو فبہا ورنہ کسی آدمی کو بلند جگہ پر کھڑے ہو کر سورج دیکھنے کا حکم دیتے۔

نمبر32:۔جب سورج غروب ہونے کا یقین ہوجاتا تو بغیر کسی تاخیر کے روزہ افطار فرمالیتے۔آپ ﷺ دست مبارک میں کھجور لیتے اور غروب آفتاب کا انتظار فرماتے۔

نمبر33:۔اگر کوئی صحابی افطار کی دعوت دیتے تو آپ ﷺ ان کی دعوت قبول فرماتے۔

نمبر34:۔اجتماعی افطاری کی روایات بھی موجود ہیں۔رسول اللہ ﷺ مساکین صحابہ کو بھی افطاری میں شامل فرماتے۔

نمبر35:۔رسول اللہ ﷺ نماز مغرب ادا کرنے سے قبل افطار فرمالیا کرتے تھے۔

نمبر36:۔افطاری کے وقت رسول اللہ ﷺ کی سب سے پسندیدہ چیزیں کھجور اور پانی تھا۔کبھی کبھی کھجور کے ساتھ دودھ بھی استعمال فرماتے بلکہ ہر اس شے سے روزہ افطار فرماتے جسے آگ نے چھوا نہ ہوتا۔

نمبر37:۔پینے والی شے گھونٹ گھونٹ کر کے نوش فرماتے۔

نمبر38:۔روزہ افطار کروانے کا اجر و ثواب بیان فرماتے۔

نمبر39:۔افطار کے وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔رسول اللہ ﷺ خود بھی دعا کا اہتمام فرماتے اور امت کو بھی دعا کی تلقین فرمائی۔

نمبر40:۔رسول کریم ﷺ کا مبارک معمول یہ تھا

کہ آپ افطاری کے بعد دعا فرمایا کرتے تھے۔

نمبر 41:۔ رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کثرت کے ساتھ دعا فرماتے تھے۔

نمبر 42: رمضان میں قیام اللیل (تراویح) کا اہتمام فرماتے اور قیام اللیل کی فضیلت بھی بیان فرماتے۔ تین دن باجماعت تراویح کی نماز ادا فرمائی۔

نمبر 43: بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ روزہ مغرب کے وقت افطار کرنے کی بجائے سحری کے وقت افطار فرماتے۔ یعنی سحری ہی آپ کی افطاری بھی ہوتی۔ ان روزوں کو صوم وصال کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرام کو صوم وصال سے منع فرمایا۔

نمبر 44:۔ آخری عشرے میں پہلے سے بھی بڑھ کر عبادت میں محنت فرماتے۔ صوم وصال کا معمول بھی آخری عشرے میں ہوتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالی وجھہ الکریم بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آخری عشرے میں مغرب اور عشاء کے درمیان غسل فرماتے۔ حالت اعتکاف میں سر دھلوانے کی روایت بھی موجود ہے۔

نمبر 45:۔ آخری عشرہ میں آپ ﷺ کی عبادت میں مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنی مبارک کمر کو کس کر باندھ لیتے جو کہ خوب محنت اور جدو جہد کی علامت ہوا کرتا تھا۔

نمبر 46:۔ رمضان المبارک کی باقی راتوں میں کچھ آرام بھی فرماتے مگر آخری عشرے کی راتوں میں وہ تھوڑا سا آرام بھی ترک فرما دیتے اور تمام رات بیدار رہ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔

نمبر 47:۔ آخری عشرہ میں رسول کریم ﷺ صرف خود ہی بیدار نہ رہتے بلکہ گھر والوں کو بھی بیدار رکھتے۔

نمبر 48:۔ رمضان کے آخری عشرہ میں رسول اللہ ﷺ کا مبارک معمول یہ تھا کہ آپ مسجد میں اعتکاف فرماتے۔

نمبر 49: رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ آخری عشرہ کے علاوہ پہلے عشرہ اور دوسرے عشرہ میں بھی اعتکاف فرمایا۔

نمبر 50:۔ رسول اللہ ﷺ اعتکاف مسجد میں فرماتے۔

نمبر 51:۔ رسول اللہ ﷺ ایک خیمہ میں اعتکاف فرماتے۔

نمبر 52:۔ اعتکاف کی ابتدا اگر چہ بیس رمضان کی شام کو فرما دیتے، مگر رات مسجد میں ہی بسر ہوتی اور خیمہ میں اکیس رمضان کی نماز فجر ادا کر کے داخل ہوتے۔

نمبر 53:۔ اعتکاف کے دوران رسول اللہ ﷺ حسب ضرورت گفتگو فرماتے۔ اور لوگوں سے ملاقات بھی فرماتے۔

نمبر 54:۔ خیمہ میں آپ ﷺ کے لیے بستر اور چارپائی بھی بچھائی جاتی تھی۔ جس جگہ خیمہ اور چارپائی بچھائی جاتی وہاں اب ''ستون سریر'' ہے۔ صحابہ کرام نے اس مقام کو یاد رکھا اور اپنے شاگردوں کے سامنے اس کی نشاندہی بھی کی۔

نمبر 55:۔ رسول اللہ ﷺ صرف وضو کے لیے حجرہ میں تشریف لے جاتے۔ کھانا آپ مسجد میں ہی تناول فرمایا کرتے تھے۔

نمبر 56:۔ شب قدر کی فضیلت واہمیت بیان فرماتے اور شب قدر کی علامات بیان فرماتے۔ تاکہ شب قدر حاصل کرنے میں آسانی ہو۔

نمبر 57:۔ شب قدر کو تلاش کرنے کی تلقین بھی فرماتے۔

نمبر 58:۔ شب قدر میں یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ

نمبر 59:۔ رسول اللہ ﷺ رمضان کی آخری رات کی فضیلت بیان فرماتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کی آخری رات آتی ہے تو اللہ تعالی اس دن اتنی مقدار میں لوگوں کو دوزخ سے آزاد فرماتا ہے جسقدر تمام مہینہ میں اس نے آزاد فرمائے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالی وجھہ الکریم کے بارے منقول ہے جب رمضان المبارک کی آخری رات آتی تو اعلان کرواتے ''جس کی عبادات قبول ہوگئیں ہم انہیں مبارک دیتے ہیں اور جو محروم رہا اس سے تعزیت کرتے ہیں۔

نمبر 60:۔ رسول اللہ ﷺ چاند رات کو بھی شب بیداری فرماتے۔ اور اعتکاف والی جگہ پر ہی رہتے۔ وہیں سے صبح عیدگاہ تشریف لے جایا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس اپنی ظاہری حیات میں نو مرتبہ رمضان پایا۔ ان میں سے زیادہ مرتبہ رمضان 29 دنوں کا ہوا۔ کم رمضان ہی تیس دن کے ہوئے۔

نمبر 61:۔ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر کے دن کو انعام الٰہی کا دن قرار دیا۔

نمبر 62:۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ غسل فرماتے۔

نمبر 63:۔ عید والے دن رسول اللہ ﷺ خوشی کا اظہار فرماتے۔ اچھا لباس پہنتے۔ ہر عید کے موقع پر دھاری دار یمنی کپڑوں کا لباس زیب تن فرماتے۔

نمبر 64:۔ عمدہ لباس پہننے اور خوشبو لگانے کی تلقین فرماتے۔

نمبر 65:۔ رسول اللہ ﷺ کے مبارک معمولات میں سے یہ بھی ملتا ہے کہ آپ ﷺ عید الفطر والے دن کچھ نہ کچھ تناول فرما کر عید کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے اور عید الاضحیٰ کے موقع پر نماز عید ادا فرمانے کے بعد تناول فرماتے۔

نمبر 66:۔ رسول اللہ ﷺ کھلے میدان میں عید کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

نمبر 67:۔ خواتین کو بھی نماز عید میں شرکت کرنے کا حکم ارشاد فرماتے۔

نمبر 68:۔ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ کی طرف پیدل تشریف لے جاتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نماز عید کے لیے پیدل جانا سنت ہے۔

نمبر 69:۔ رسول اللہ ﷺ نماز عید کے لیے جس راستہ سے تشریف لے جاتے واپسی اسی راستہ پر نہ ہوتی بلکہ دوسرے راستہ کو شرف بخشتے۔

نمبر 70:۔ عیدگاہ میں رسول اللہ ﷺ صرف عید کی نماز ادا فرماتے۔ اس سے پہلے یا بعد میں کوئی نماز ادا نہ فرماتے۔

نمبر 71:۔ رسول اللہ ﷺ عید کی جماعت اذان اور تکبیر کے بغیر کرواتے۔

نمبر 72:۔ رسول اللہ ﷺ جمعہ میں خطاب پہلے ارشاد فرماتے مگر عیدین میں نماز کی ادائیگی پہلے ہوتی اور خطاب بعد میں ہوتا۔

نمبر 73:۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نماز عید کی پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ اور دوسری میں سورۃ غاشیہ تلاوت فرماتے۔

نمبر 74: جس طرح رسول اللہ ﷺ جمعہ کے خطبہ کے دوران تھوڑی دیر کے لیے بیٹھتے تھے اسی طرح عید کے خطبہ کے دوران بھی کچھ دیر کے لیے بیٹھ جاتے۔

نمبر 75:۔ آپ ﷺ دوران خطبہ تکبیر کی کثرت فرماتے۔

نمبر 76:۔ عیدین کے موقع پر آپ ﷺ مردوں کے اجتماع میں خطاب کے بعد خواتین کے اجتماع میں تشریف لے جاتے اور انہیں الگ خطاب فرماتے۔

نمبر 77:۔ عید کے روز ایک دوسرے کو مبارکباد کہتے ہوئے دعا دینا بھی رسول کریم ﷺ کی سنت مبارک ہے۔

نمبر 78:۔ صدقہ فطر (فطرانہ) کی ادائیگی کے لیے رسول اللہ ﷺ عید سے دو دن پہلے خطبہ ارشاد فرماتے۔

زندگی اور اخلاقی رویے

آصف بلال آصف

عربی میں ضرب المثل ہے۔ ''جو اخلاق اور ادب کا سرمایہ رکھتا ہے وہ دلوں کو ہمیشہ کے لیے خریدنے کی قوت رکھتا ہے''۔

یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ لوگوں کے مرتبے ان کے اخلاق کی وجہ سے بلند ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہوگا کہ اخلاق بھی رزق کی طرح کی ملی ہوئی دولت ہوتی ہے اور اس اخلاق میں کوئی سخی ہوتا ہے اور کوئی بے مال فقیر۔۔۔۔ جو اخلاق کی ملکیت رکھتا ہے لوگ اس سے راضی ہوتے ہیں۔۔۔۔ اس کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔۔۔۔ سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ کا قول مبارک ہے:

''مومن کے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی بھی چیز قیامت والے دن میزان پر نہیں ہوگی''۔

بدتمیزی کا جواب بدتمیزی نہیں ہوتا اسی مقام پر ہی تو اخلاق کا امتحان ہوتا ہے۔۔۔۔ اس کا جواب خاموشی بھی ہوسکتا ہے۔۔۔۔

خاموشی کمزوری ہرگز نہیں ہوتی بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قولِ نور یہ ہے کہ۔۔۔۔

''بہادر وہ نہیں ہوتا جو اپنے مخالف پر قابو پا لے بلکہ بہادر تو وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ پر قابو پالیتا ہے''۔

آپ خاموش رہیں۔۔۔۔ قدرت جواب دیتی ہے۔

آپ معاف کر دیں۔۔۔۔ قدرت عزت دیتی ہے۔

آپ جھک جائیں۔۔۔۔ قدرت آپ کو بلند کر دیتی ہے۔

آپ سلام میں پہل کریں۔۔۔۔ قدرت آپ کو سلامتی عطا کرتی ہے۔

آپ نیکی کریں اور چھپ جائیں اپنی تشہیر کروانے سے بچتے پھریں۔۔۔۔ قدرت پھر بھی لوگوں کے دلوں میں آپ کی عزت اور محبت ڈال دیتی ہے۔۔۔۔ یہی ہے رازِ زندگی۔۔۔۔ آپ بے نیاز ہو جائیں ہر چیز قدموں میں آ گرتی ہے۔۔۔۔

بس جلدی نہ مچائیں۔۔۔ اللہ سے ضد نہ لگائیں۔۔۔۔ انتظار کریں، صبر کرنا سیکھ لیں۔۔۔۔

اللہ کے کام اپنے ہاتھوں میں نہ لیں۔۔۔۔ بس کوشش کریں لیکن نتیجے کے پیچھے نہ بھاگیں۔۔۔۔

کوشش کر کے چپ چاپ سائیڈ پر ہو جائیں۔۔۔۔ وہ دیکھ رہا ہے۔۔۔۔ آپ کا حصہ آپ کو ہی دے گا۔۔۔۔

کسی بھی خواہش، خواب یا آرزو کے ٹوٹ جانے سے زندگی سے کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ گھڑی کے خراب ہو جانے سے وقت تھم نہیں جایا کرتا۔۔۔۔ بس آپ سے صبر، شکر اور اخلاص درکار ہے۔۔۔۔

اور اللہ تعالیٰ تو دے کر خوش ہوتا ہے بانٹنا اور نوازنا دینا اس کی صفات ہیں۔۔۔

امید اور حقیقت کے درمیان توازن رکھنے والا شخص کبھی بھی غمگین نہیں ہوتا۔۔۔۔

وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں جو زوال کی طرف جائیں یا کمال کی طرف۔۔۔ صرف شکر کے راستے پر ہی سفر کرتے ہیں۔

زندگی میں ہر انسان کے اندر خوبی اور خامی دونوں موجود ہوتی ہیں۔۔۔۔

بس فرق صرف اتنا ہے کہ جو تراشتا ہے اسے خوبی نظر آتی ہے اور جو تلاشتا ہے اسے خامی نظر آتی ہے۔۔۔۔

بحیثیت انسان زندگی میں بہت سے رشتے اور تعلق بنتے ہیں اور انسان ایک وقت میں کئی قسم کے رشتوں کو نبھا رہا ہوتا ہے۔۔۔۔ ان میں کبھی کبھار مختلف وجوہات کی بنا پر تناؤ، تلخی، غصہ، ناراضگی اور کبھی کبھار قطع تعلقی تک کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔۔۔۔ اگر ان عوامل کو وقت پر حل نہ کیا جائے تو فاصلے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔۔۔۔ اور پھر انا اس قدر حاوی ہو جاتی ہے کہ انسان ان رشتوں اور تعلقات کو بحال کرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔۔۔۔ اس طرح وہ گناہوں کا اضافی بوجھ لے کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔۔۔۔

جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے دین میں حقوق العباد کی اس قدر اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ حقوق اللہ ادا نہ کرنے یا خلاف ورزی کرنے والوں کو دورانِ زندگی توبہ کرنے کی صورت میں معاف فرما سکتے ہیں۔۔۔۔ لیکن انسانوں کے متعلق حقوق تب تک معاف نہیں ہوتے جب تک غلطیوں کی تلافی و معافی کر کے متعلقہ شخص سے معاملات درست نہ کر لیے جائیں۔۔۔۔ زندگی میں اگر ایسا نہ ہوا تو آخرت میں اپنی نیکیاں دے کر اور نیکیاں ختم ہونے کی صورت میں دوسروں کے گناہ اپنے پلڑے میں ڈلوا کر اپنی عاقبت داؤ پر لگانا ہوگی جو کہ سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔۔ انسان کو جو چیز ایسا کرنے سے روکتی ہے وہ اس کی انا ہے۔۔۔ اس لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص کو یہ سوچ لینا چاہیے کہ اسے اپنی انا عزیز ہے کہ اللہ کی خوشنودی۔۔۔۔

اسے خود کو خوش رکھنا ہے یا اللہ تعالیٰ کو۔۔۔۔

اسے دنیا میں اکڑی گردن کے ساتھ زندگی بسر کرنی ہے یا اللہ تعالیٰ کے خوف سے زندگی گزارنی ہے۔۔۔۔

اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ حساب کتاب اسی زندگی میں ختم کر

لیں۔۔۔۔۔اپنے ''نفس'' اور ''میں'' کو مار کر اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیں۔۔۔۔۔ہم غور کریں کہ کن سے ہمارے تعلقات خراب ہیں۔۔۔۔۔اور کس طرح ٹھیک ہو سکتے ہیں۔۔۔۔۔اور پھر ارادہ و نیت کر لیں کے تلافی و معافی کے ساتھ کیسے ہر ٹوٹے ہوئے تعلق اور رشتے کو بحال کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔

ہر عمل کے تین قدم ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

پہلا قدم یہ ہے کہ جب انسان کسی اچھے کام کا ارادہ کرتا ہے۔

دوسرا قدم یہ ہے کہ جب اس ارادے کو پختہ کر کے نیت میں بدل دیتا ہے۔

اور تیسرا یہ کہ جب اس پر عمل کرتا ہے۔

ہر قدم کا اجر ہے لیکن زندگی میں عمل مکمل ہو جائے تو اللہ کی طرف سے بڑی نعمت و انعام حاصل ہوتا ہے۔۔۔۔۔

دنیا میں رشتوں کا ٹیسٹ بھی ہر روز بدلتا رہتا ہے۔۔۔۔۔میٹھا، نمکین، کھارا۔۔۔۔۔

بس یہ اس بات پر منحصر ہے کہ آپ اس میں ملا کیا رہے ہیں۔۔۔۔۔

اگر آپ آسانیاں بانٹ رہے ہیں تو یہ رشتہ اپنے سواد (Taste) میں میٹھا ہوتا جائے گا۔۔۔۔۔

لیکن اگر آپ مشکلات بانٹ رہے ہیں تو رشتوں میں کڑواہٹ آتی جائے گی۔۔۔۔۔

بلند اخلاقی بھی یہی ہے کہ رشتوں میں موجود کھارا پن اپنے بہترین رویے سے چوس (Suck) لیں اور مہربان و اخلاق پرور جذبوں کی مٹھاس ان میں گھول دیں۔۔۔۔۔

اس طرح معاشرہ بہترین رویوں سے مزین ہو جائے گا اور ہم اخلاقی بدحالی سے نکل کر اخلاقی خوشحالی کے دور میں داخل ہو جائیں گے۔

زندگی میں دو چیزوں کی بڑی اہمیت ہے اور انہیں یاد بھی رکھنا ضروری ہے۔۔۔۔۔

جب آپ اکیلے ہوں تو اپنے خیالات کا خیال رکھیں، اور جب آپ لوگوں کے ساتھ ہوں تو اپنے الفاظ کا خیال رکھیں۔۔۔۔۔

کوا وہ واحد پرندہ ہے جو عقاب کو چھیڑنے کی جسارت کرتا ہے۔ یہ عقاب کے اوپر اور اس کی پیٹھ پر بیٹھ جاتا ہے اور اس کی گردن پر کاٹتا ہے۔ ٹھونگے مارتا ہے۔ کوے کے اس فعل پر بھی عقاب اس کو کچھ نہیں کہتا۔ کوئی جواب نہیں دیتا اور نہ ہی کوے کے ساتھ لڑتا ہے۔ یہ کوے کے ساتھ اپنا وقت اور توانائی سرف نہیں کرتا۔۔۔۔۔

عقاب اپنے پروں کو کھولتا ہے اور آسمان کی طرف اونچی اڑان شروع کر دیتا ہے۔ بہت اونچی پرواز سے کوے کو سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے اور آخر کار آکسیجن کی کمی کی وجہ سے کوا گر پڑتا ہے۔۔۔۔۔

ہمیں بھی تمام لڑائیوں کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔۔۔۔۔دلائل دینے میں الزامات یا نقادوں کے جواب دینے میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔۔۔۔۔بس اپنا معیار اونچا کر لیں اپنے اخلاق کو اس قدر بلند کر لیں کے کوّوں کی مانند اعتراض اور طنز کرنے والے خود بخود ہی گرتے جائیں۔۔۔۔۔''مضبوط اور با کردار لوگ شکایتیں نہیں فیصلے کرتے ہیں''۔۔۔۔۔

کامیاب لوگوں کی زندگیوں پر غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام ان تین خوبیوں کے مشترکہ حامل ہیں:

محنت۔۔۔۔۔ہنر۔۔۔۔۔ایمانداری

محنت: اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر مکمل ٹائم اپنے کام کو سرانجام دینا ہی محنت ہے۔

ہنر: انسان جو کام بھی کرتا ہے اس کام کے کرنے کا طریقہ اور سلیقہ ہنر کہلاتا ہے۔

ایمانداری: جبکہ ایمانداری ان چار عادتوں کا مجموعہ ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔وعدے کی پابندی۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔جھوٹ سے نفرت۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ زبان پر قائم رہنا۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔اپنی غلطی کا اعتراف۔۔۔۔۔

ہر کامیاب آدمی ایمانداری کے ان چاروں اجزاء پر مکمل عمل پیرا ہوتا ہے۔۔۔۔۔اب ہم ان چاروں اجزاء پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی با اخلاق انسان ہی ان اجزاء پر عمل کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔

کامیابی کے ایک انٹرنیشنل فارمولے کے مطابق کامیابی کی ان خوبیوں کی Percentage کچھ یوں ہیں:

محنت = 30%

ہنر = 20%

ایمانداری = 50%

اس سے یہ مراد ہے کہ اگر کوئی انسان مکمل ہنر (Skill) اور زبردست محنت کے ساتھ اپنا کام کر رہا ہو تو بھی وہ صرف 50% کامیاب ہوگا۔ جبکہ اگر محنت میں کچھ کمی رہ جائے اور ہنر میں بھی کچھ کمی ہو اور انسان میں ایمانداری پوری ہو تو وہ کامیابی کی اعلیٰ Percentage حاصل کر لیتا ہے۔۔۔۔۔جبکہ صرف ایمانداری کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ کامیابی کے پھیکے اور آدھے نتائج برداشت کرے گا۔۔۔۔۔

پریشانیاں صرف مکافاتِ عمل کے تحت ہی نہیں آتیں کچھ بطورِ آزمائش، کچھ بطور تنبیہ، کچھ بلندی درجات، کچھ گناہوں کے کفارہ اور کچھ آخرت کی تیاری کے لیے بطورِ یاددہانی کے بھی آتی ہیں۔۔۔۔۔دعا یہ کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا میں راضی رہنے اور ثابت قدم رہنے کی توفیق سے محروم نہ کرے۔۔۔۔۔

رکاوٹوں اور مشکلات کے لیے پریشان نہ ہوا کریں۔۔۔۔۔ان کے پیچھے بہت حکمتیں ہوتی ہیں۔۔۔۔۔یہ آپ کا راستہ روکنے کے لیے نہیں بلکہ بہترین راستے پر لے جانے کے لیے آتی ہیں۔۔۔۔۔تکلیف چھوٹی ہو یا بڑی اس کا حل صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے۔۔۔۔۔

ہمیں اللہ تعالیٰ پر توکل قائم کرنا چاہیے۔۔۔۔۔اللہ پر توکل کے بعد ہونے والے معجزے حقیقتاً ہوتے ہیں۔۔۔۔۔یہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔۔۔۔۔جب انسان مسلسل اپنے لیے آسانیوں کی دعا مانگتا ہے۔۔۔۔۔تو اسے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جواب نہیں دیتا۔۔۔۔۔کیونکہ زندگی فوری آسان نہیں ہو رہی ہوتی۔۔۔۔۔لیکن اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ جب انسان دعا مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تب کہیں کسی کے دل کو اس کے لیے نرم کر رہا ہوتا ہے۔۔۔۔۔کہیں کسی کے ذہن میں آپ کی مدد کا کوئی خیال ڈال رہا ہوتا ہے۔۔۔۔۔غرض یہ کہ تمہارے لیے اسباب بنا رہا ہوتا ہے اور تمہیں لگتا ہے کہ دعائیں رائیگاں جا رہی ہیں۔۔۔۔۔فرق بس اتنا ہے کہ اللہ جو تمہارے لیے کرتا ہے وہ نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔اگر نظر آنے لگ جائے یا تمہیں کسی طرح اللہ کے منصوبے کا علم ہو جائے تو پھر ایمان کیسا۔۔۔۔۔؟ ۔۔۔۔۔تو آزمائش کیسی۔۔۔۔۔؟

بس توکل کی راہ پر چلتے رہو۔۔۔۔۔یہ راہ بہت خوبصورت ہے کیونکہ اس راہ میں تمہارے ساتھ تمہارا

رب ہوتا ہے۔۔۔۔

آپ کو زندگی سے جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے اسے ہضم کرنا سیکھیں۔۔۔۔

جس طرح کھانا ہضم نہ ہونے کی صورت میں بیماریاں پیدا ہوتی اور بڑھتی ہیں۔۔۔۔

اسی طرح مال و ثروت ہضم نہ ہونے کی صورت میں ریا کاری بڑھتی ہے۔۔۔۔

بات ہضم نہ ہونے کی صورت میں چغلی بڑھتی ہے۔۔۔۔

تعریف ہضم نہ ہونے کی صورت میں غرور میں اضافہ ہوتا ہے۔۔۔۔

مذمت کے ہضم نہ ہونے کی صورت میں دشمنی بڑھتی ہے۔۔۔۔

علم کے ہضم نہ ہونے کی صورت میں بحث و تکرار میں اضافہ ہوتا ہے۔۔۔۔

غم ہضم نہ ہونے کی صورت میں مایوسی بڑھتی ہے۔۔۔۔

اقتدار اور طاقت ہضم نہ ہونے کی صورت میں خطرات میں اضافہ ہوتا ہے۔۔۔۔

اس لیے ہضم کرنا سیکھیں کہ یہ خوبی بھی زندگی گزارنے کا اعلیٰ طریقہ ہے۔۔۔۔کہ جس سے انسان ایک متوازن زندگی بسر کر سکتا ہے۔انسانیت وہ ہے جو دشمن کو بھی سہارا دینے پر مجبور کر دیتی ہے۔۔۔۔احساس وہ ہے کہ جس میں غیروں کا دکھ بھی اپنا لگتا ہے۔۔۔۔اور جس میں دونوں ہوں وہ یقیناً حقوق العباد پورے کرتا ہے۔۔۔۔اور ایسے ہی بندوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔۔۔۔

دوسروں کا احساس کرنے سے انسان کا اپنا وقار بڑھ جاتا ہے۔۔۔۔دیوار سے لگے شیشے اور دل سے جڑے رشتے ہمیشہ غفلت سے ہی ٹوٹتے ہیں۔۔۔۔اخلاق وہ چیز ہے کہ جس کی قیمت نہیں دینا پڑتی لیکن اس سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔۔۔۔

اچھی زندگی بسر کرنے کے طریقے اور اصول سیکھنے چاہییں اور پھر ان پر عمل کر کے زندگی بہترین بنانی چاہیے۔۔۔۔

سیکھنا ہو تو دنیا کی ہر چیز سے انسان سیکھ سکتا ہے۔۔۔۔

پڑھنے والوں کے غور و خوض کے لیے دریاؤں سے سیکھے ہوئے 14 اسباق درج کر رہا ہوں۔۔۔۔

☆ دریا کبھی واپس نہیں پلٹتے، ہمیشہ آگے ہی آگے چلتے رہتے ہیں۔۔۔۔اس لیے ماضی کو بھول کر ہمیں بھی مستقبل پر فوکس کرنا چاہیے۔

☆ آپ گیلے ہوئے بغیر دریا پار نہیں کر سکتے۔۔۔۔اسی طرح دکھ اور سکھ بھی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں۔لہذا ہمیں ہمت اور حوصلے کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیے۔

☆ دریاؤں کو دھکا نہیں لگانا پڑتا یہ خود ہی آگے بڑھتے ہیں۔۔۔۔کیا آپ سلف سٹارٹ نہیں بن سکتے۔۔۔۔؟

☆ جہاں سے دریا زیادہ گہرا ہوتا ہے وہاں خاموشی اور سکوت بھی زیادہ ہوتا ہے۔۔۔۔اسی طرح علم و عرفان والے بھی گہرے ہوتے ہیں اور گہرے لوگ پر سکون ہوتے ہیں۔

☆ پتھر پھینکنے والوں سے الجھے بغیر دریا بہتے چلے جاتے ہیں۔۔۔۔روڑے اٹکانے والوں کی پرواہ کیے بغیر آپ بھی اپنی زندگی رواں دواں رکھیں۔

☆ دریاؤں کے اندر مگرمچھ ہوتے ہیں۔۔۔۔خواہشات کے دریا میں دنیاوی محبت ایک مگرمچھ کی طرح ہے ذرا دھیان سے زندگی گزاریں۔

☆ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ دریا کتنا بڑا، چوڑا اور وسیع ہے وہ پھر بھی بڑھنا چاہتا ہے۔۔۔۔آپ کی صلاحیتیں بھی لامحدود ہیں ان کو مزید وسیع کیجیے۔

☆ ایک بڑا دریا چھوٹی ندیوں، نالوں اور چشموں کو اپنے ساتھ ملنے سے کبھی نہیں منع کرتا۔۔۔۔آپ بھی اپنا ظرف بڑا اور نگاہ سربلند رکھیں۔

☆ دریا اور جھیلیں، زمین اور آسمان، جنگلات اور کھیت، پہاڑ اور سمندر ایسے شاندار استاد ہیں جو ہمیں کتابوں سے بھی اچھی باتیں سکھاتے ہیں پر ہم میں غور کرنے کی صلاحیت ہونی ضروری ہے۔

☆ دریا ہمیشہ ایک راستے کی پیروی کرتا ہے وہ راستہ جہاں سے گزر کر وہ سمندر میں پہنچ جائے۔۔۔۔اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کے لیے صراطِ مستقیم ہمیں بھی بتایا گیا ہے۔سکھایا گیا ہے۔ہمیں بھی اسی پر چلنا چاہیے۔۔۔۔

☆ دریا اپنا پانی خود نہیں پیتے، درخت اپنا پھل خود نہیں کھاتے۔۔۔۔کیا آپ نے کبھی خدمتِ خلق کے بارے میں کچھ سوچا، کچھ کیا۔

☆ دریا میں دو خوبیاں زیادہ ہیں فراخ دلی اور روانی۔۔۔۔زندگی میں بھی فراخ دل اور رواں دواں لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔

☆ دریاؤں میں قدرتی زندگی، موسیقیت، تغیر پذیری اور حرکت ہوتی ہے اور اس کی کوئی حدیں بھی نہیں ہوتیں۔۔۔۔کیا ہم انسان ان خوبیوں سے مزین ہیں۔۔۔۔؟

☆ دریا یہ بھی جانتے ہیں کہ جلدی کی کوئی ضرورت نہیں۔ مستقل اور مسلسل حرکت سے ایک دن ہم منزل پر پہنچ ہی جائیں گے۔۔۔۔تو اے انسان تو بھی اس بات پر غور کر۔۔۔۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ۔۔۔۔ان لوگوں کو معاف کر دیں جو کبھی آپ کی تکلیف کا سبب بنے تھے اور انہیں یاد رکھیں جو ہر وقت آپ کی خوشیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔۔۔۔عزت، احساس، شفقت اور پیار ایسے ادھار ہیں جو دگنے ہو کر واپس ملتے ہیں۔۔۔۔

کوشش کریں کہ زندگی کا ہر لمحہ سب کے ساتھ اچھے سے اچھا گزرے۔۔۔۔کیونکہ زندگی نہیں رہتی اچھی یادیں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔۔۔۔

جب آپ اکیلے ہوں تو اپنے خیالات کا خیال رکھیں، اور جب آپ لوگوں کے ساتھ ہوں تو اپنے الفاظ کا خیال رکھیں

”کرکٹ“ تماشہ بینی یا وقت کا ضیاع

ماسٹر احسان الٰہی

وطنِ عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان خدائے بزرگ و برتر کی عطا ہے۔ یہ لاکھوں بچوں، بوڑھوں، نوجوانوں، ماؤں، بہنوں اور معصوم بیٹیوں کی عظیم اور انمول قربانیوں کا ثمر ہے۔ جنہوں نے اپنا قیمتی اور انمول خون اور عزت و ناموس داؤ پر لگا کر اسے سینچا اور اس کی آبیاری کی۔ یہ ایک محبِ وطن، ہمدرد اور عاشقِ رسول اللہ ﷺ اور ایک عظیم مفکر کے خوابوں کی تعبیر ہے اور ایک لاغر و نحیف لیکن اٹل، پُرعزم اور ناقابلِ تسخیر شخصیت کی دن رات کی کوششوں اور محنتِ شاقہ کا میٹھا پھل ہے۔ اس کے وجود میں مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کے محبت بھرے آنچل کا لمس ہے اور یہ ماہِ رمضان کے بابرکت مہینے اور لیلۃ القدر کی نورانی اور شبنمی گھڑیوں کا ربِ کریم کی طرف سے عطیہ اور تحفہ ہے۔ یہ طلوعِ آفتاب رسولِ محترم و معظم و محتشم کی دعاؤں کا مظہر ہے کہ مجھے اس خطہ سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے محسوس ہوتے ہیں۔ انشاء اللہ یہ ہمیشہ اور تا ابد قائم و دائم رہنے کے لیے معرض وجود میں آیا ہے اور اس کا وجود دشمن کے ناپاک عزائم کے باوجود عالمی افق پر اپنی چکاچوند کے ساتھ اظہر من الشمس رہے گا۔ پاکستان دنیا کی واحد اسلامی ایٹمی طاقت ہے۔ پاکستان کی یہ ساکھ، عزت و ناموس، برتری اور وقار دشمن کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ وہ مختلف اندرونی اور بیرونی سازشوں کے تانوں بانوں میں مصروف کار رہتا ہے۔ وہ حسد، کینے اور بغض کے تعفن سے لبریز اور مجبور ہر طرح سے پاکستان کو ناکام اور کمزور کرنے، مختلف حیلوں، حربوں سے زیر کرنے، اسے صفحۂ ہستی سے مٹانے اور ایٹمی قوت اچکنے اور سلب کرنے کے زعم میں پاگل پن اور جنونی کیفیت سے دوچار ہے لیکن پاکستان کو انشاء اللہ، اللہ کے فضل و کرم سے کچھ نہیں ہوگا۔ ایک مفکر اور دانشور حضرت واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان سے اپنی دلی محبت اور وابستگی کا اظہار یوں فرمایا ہے کہ ”پاکستان نور ہے اور نور کو زوال نہیں“ ہمارے آقائے نعمت، ولیٔ کامل، مرشدِ کریم حضرت علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ دامت برکاتہم نے حال ہی میں اتفاق مسجد لاہور میں خطبہ جمعہ کے دوران ارشاد فرمایا تھا کہ ہمیں اپنے وطن، اپنی مٹی اور دھرتی سے بہت محبت ہے۔ اس گلستان کے کانٹے بھی ہم سنبھال کر رکھیں گے اور ضرورت پڑنے پر دشمن کو چبھونے کے کام آئیں گے۔

شومئی قسمت کہ پاکستان بنانے والے، اسے خونِ جگر سے نکھارنے والے، اس سے محبت اور وفا کرنے والے وقت سے پہلے چلے گئے اور ملک کی باگ ڈور صحیح اور مخلص لوگوں کی بجائے مفاد پرست، مصلحت پسند اور بے حس لوگوں کے ہاتھوں میں آ گئی اور گلشن کے تحفظ کی قسمیں کھانے والے لوگ ناپید ہوتے چلے گئے اور ملک نااہل، کرپٹ اور ڈنگ ٹپاؤ لوگوں کے ہاتھوں یرغمال بنتا چلا گیا اور وہ دشمن کی چالوں، عیاریوں، مکاریوں اور مصنوعی ہمدردیوں کے جال میں پھنستے چلے گئے۔ اس وقت حالات اس قدر دگرگوں اور تشویشناک صورتحال اختیار کر چکے ہیں کہ ملک بدامنی، دہشت گردی، لاقانونیت، قتل و غارت، لوٹ مار، بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان، منشیات اور کرپشن کی دلدل میں دھنسا ہوا ہے۔ یہ ملک، قوم کے ایک ایک فرد اور خود حکومت کے لیے ایک چیلنج ہے۔ اوپر سے کرکٹ فوبیا، موبائل انٹرنیٹ کے منفی رجحان نے قوم کے مستقبل اور نوجوان نسل کو دینی، روحانی، مذہبی اور اخلاقی طور پر دیوالیہ اور کھوکھلا کر دیا ہے۔ کرکٹ کا کھیل ہمارے لیے سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔ اس بے کار اور فروعی مشغلے کے شوق نے وقت کے ضیاع کے علاوہ اصل مقصد سے دور کر دیا ہے۔ جن ہاتھوں میں صحیفۂ نور وہدایت قرآنِ مجید، کتب احادیث، تعلیم و تدریس کے نادر نسخہ ہائے کیمیا ہونے چاہییں تھے۔ ان ہاتھوں نے بلے، وکٹیں، موبائل اور موٹر سائیکل کی ریسیں سنبھال رکھی ہیں اور انہوں نے اپنے اسلاف کی اعلیٰ اقدار اور ورثے کو طاقِ نسیان کر دیا ہے۔

چھوٹے بڑے سبھی کرکٹ کھیل سے ذہنی تکلیفوں میں ملوث ہوتے جا رہے ہیں۔ گلی گلی میں بچوں نے کرکٹ کھیلنا شروع کر دیا ہوا ہے۔ یہ ایک بے معنی، فضول اور وقت کے ضیاع کا کھیل ہے۔ بڑے بڑے اینکر پرسن، معزز خواتین و حضرات اس لت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ میڈیا پر بڑی بڑی خبریں نشر کی جاتی ہیں۔ بریکنگ نیوز دی جاتی ہیں۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پر ایسی بھرپور کوریج دی جاتی ہے اور تبصرے و تجزیے پیش کیے جاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے جیسے پاکستان ایک بڑی عالمی طاقت کے طور پر ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ ٹورنامنٹس اور ٹی ٹونٹی اور ون ڈے میچز کی خوب تشہیر کی جاتی ہے۔ بڑے بڑے باوقار، سنجیدہ اور ذی شعور لوگ اس بے وقعت، بے فائدہ اور بے کار کھیل کے شیدائی اور مداح دکھائی دیتے ہیں لیکن کارکردگی صفر ہوتی ہے۔ کروڑوں، اربوں روپے کا جوا عروج پر ہوتا ہے۔ ایک ایک گیند پر جوا لگایا جاتا ہے اور کروڑوں انسانوں کے دماغ ملکی تعمیر و ترقی کی بجائے کرکٹ کے گرد اگرد گھومتے ہیں۔ میچ فکسنگ سے ملک و ملت کی عزت و نیلام کرنے کا شغل بھی آزمایا جاتا ہے۔ قومی بجٹ اور دولت کی ایک کثیر رقم جو کہ عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ ہونی چاہیے اس بے مقصد کھیل کی بھینٹ چڑھا دی جاتی ہے۔ جس ملک میں ایک امام مسجد کی تنخواہ بمشکل بیس پچیس ہزار ٹھہرے اور صرف ایک چیئرمین کرکٹ

کی تنخواہ ماہانہ 18 لاکھ سے زیادہ ہو وہ ملک کیا خاک ترقی کرے گا۔ جمِ غفیر کے ساتھ دیگر ممالک میں ٹورنامنٹس کے لیے دوروں کا خرچہ الگ ہے سٹوڈنٹس کے سالانہ امتحانات و دیگر ٹیسٹ سر پر ہوتے ہیں اور کوئی نہ کوئی ورلڈ کپ، شارجہ کپ، ایشیاء کپ، ٹی ٹوئنٹی ٹورنامنٹس اور کوئی نہ کوئی چیمپئین ٹرافی طلباء کا مستقبل تاریک اور تباہ کرنے کی منتظر ہوتی ہے اور طلباء اپنے اصل مقصد تعلیم و تدریس سے آنکھیں چرا کر ان ٹورنامنٹس کی دلدل میں پھنستے چلے جاتے ہیں ایک اور حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری ہے کہ کوئی بھی فائنل میچ یا انڈیا اور پاکستان کا میچ خاص طور پر جمعہ والے دن رکھا جاتا ہے اور یہ اسلام دشمن عناصر کی طرف سے میٹھا زہر ہے کہ مسلمان جمعہ کے دن کی فضیلت، برکت اور حرمت کو چھوڑ کر کرکٹ کو اولین ترجیح دیں لیکن ہمارے اربابِ بست و کشاد کو کوئی پرواہ ہی نہیں ہے کہ ایسا کیوں کیا جاتا ہے۔ ایک اور بری عادت یہ کہ اکثر منچلے اور کھلنڈرے نوجوان ہر روز رات کو اور چھٹی والے دن سارا دن سڑکوں اور گلی محلے میں کرکٹ کھیلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی گراؤنڈ اور کھلی جگہ پر پانچ پانچ، چھ چھ ٹیمیں بیک وقت کھیل رہی ہوتی ہیں۔ میلے کا سماں دکھائی دیتا ہے۔ آس پاس کے مکین اور راہگیر پریشان ہوتے ہیں۔ ویسے بھی پاکستانی کرکٹ کا بین الاقوامی سطح پر امیج اب بہت خراب اور ناقص ہے۔ میرٹ کو پسِ پشت ڈال کر اقرباء پروری اور سفارشی بھرتی نے پاکستان کرکٹ کی ساکھ کو بری طرح نقصان پہنچایا ہے۔ ٹورنامنٹ یا کسی میچ میں ناقص کارکردگی اور ہار پر الزامات ایک دوسرے کے سر تھوپ کر عوام الناس کو الو اور بے وقوف بنانے کا شغل اپنایا جاتا ہے اور میڈیا پر سیر حاصل بے معنی اور لا حاصل تبصرے اور تجزیے نشر کر کے عوام کا قیمتی وقت ضائع کیا جاتا ہے۔ بین الاقوامی ٹورنامنٹس میں میچز کے دوران کرکٹ گراؤنڈ میں نوجوان اور منچلے لڑکوں اور لڑکیوں کی ہلڑ بازی، میک اپ اور رقص و سرور ہمارے قومی، ملی، مذہبی اور اخلاقی شعار کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے۔ ٹی وی اور بڑی بڑی سکرینوں پر لوگ بڑے اہتمام سے ضروری کام چھوڑ کر اتنی محویت اور انہماک سے لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں جیسے ہم دنیا میں پیدا ہی اسی کام اور مشن کے لیے ہوئے ہیں اور اپنی دنیا و آخرت سنوار رہے ہیں۔ کاروبارِ زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ ٹریفک برائے نام رہ جاتی ہے۔ دفتری معمولات تعطل کا شکار ہو جاتے ہیں اور سائل در بدر کی ٹھوکریں اور دھکے کھاتے ہوئے پیسے اور وقت کا ضیاع کر کے افسروں اور نوکر شاہی کو کوسنے دیتے مایوس اور ناکام و نامراد گھروں کو واپس لوٹ جاتے ہیں۔

ہٹلر نے پانچ روزہ کرکٹ میچ کے اختتام پر پوچھا کہ کیا بنا۔ اسے بتایا کہ کھیل بغیر ہار جیت ختم اور برابر ہو گیا ہے۔ اس نے کہا کہ قوم کا اتنا وقت فضول میں ضائع ہو گیا ہے۔ اس نے کرکٹ کھیل کو بند کر دیا اور پابندی عائد کر دی۔ آخر ہم بھی تو سوچیں کہ کیا کرکٹ سے ہماری قوم کی ذہنی تعمیر ہو گی اور کیا یہ کوئی نظریہ پاکستان کی ترویج و اشاعت کے لیے کام آنے والا فارمولا بنے گی۔ ہم ملک دولخت کر بیٹھے۔ انگریز جاتے ہوئے ہمیں پاکستان کی صورت میں بادلِ نخواستہ پانچواں حصہ دے گیا۔ ہندو بنیوں نے مکاریوں اور انگریز کی جعلی تابعداریوں سے ہم سے پانچ گنا زیادہ ملک ہتھیا لیا اور حکمرانی کی اور پھر سازشوں سے ہمارا ایک بازو کاٹ ڈالا۔ 70ء کے انتخابات میں جیتنے والی دو سیاسی پارٹیوں کے لیڈر مجیب اور بھٹو اقتدار کے لالچوں میں ایسے جھومے کہ بٹوارا کر کے دونوں اقتدار کے تخت پر قبضہ جما بیٹھے۔ ہم میں قومی غیرت و حمیت جاگنی چاہیے تھی مگر ہم کھیل تماشوں اور روپوں اور سکوں کی ہوس میں مدہوش ہو گئے۔ مزید اندرونی اور بیرونی خطرات اور سازشوں کے تانے بانے سر پر منڈلا رہے ہیں اور ہم اور ہمارا میڈیا ہر وقت کرکٹ کے بخار میں مبتلا رہتا ہے اور کھلاڑیوں کی کوشش ہوتی ہے کہ کوئی اچھی آفر ملے کہ اگر تم اتنی جلدی آؤٹ ہو جاؤ تو یہ بھاری رقم تمہاری۔ ہر کھلاڑی بکاؤ مال بننا چاہتا ہے۔ ہماری دوسری اہم کھیلیں بھی اسی کی نظر ہو گئیں جو کہ صحت مند معاشرہ کے لیے انتہائی ضروری تھیں۔ کھیل باعثِ تفریح بھی ہیں اور جسمانی و ذہنی نشو و نما کا ذریعہ بھی ہیں۔ یہ ضرور کھیلنے چاہییں لیکن حکومت اور ارباب، اختیار کو چاہیے کہ وہ ایسے کھیلوں کے فروغ کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کرے جس سے ملک و قوم اور نوجوان نسل پر مثبت اور صحت مندانہ اثرات مرتب ہوں اور وطن کے وقار اور عزت کا سبب بھی بنیں جیسے ہاکی، فٹ بال، والی بال، باسکٹ بال، دوڑ، کشتی رانی، کبڈی، کشتی، تیراکی۔ نیزہ و تیر بازی، گھڑ سواری، پہلوانی وغیرہ وغیرہ۔ یہ باڈی کو فٹ رکھنے کے لیے ضروری کھیلیں تھیں۔ یہ کھیلیں وقت کا ضیاع بھی نہیں ہیں اور مہنگی بھی نہیں ہیں اور نوجوان نسل کے لیے سود مند بھی ہیں۔ شاید ان کھیلوں کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ پہلوانی کی دنیا میں گوگا اور بھولا وغیرہ دنیا کے چیمپین رہے۔ اب نہ کوئی حکومتی سرپرستی ہے اور نہ پہلوانی کے اکھاڑے ہیں۔ نوجوانی نسل سگریٹ، چائے، پان یا دوسرے نشوں پر لگ چکی ہے۔ آج کا نوجوان جان بوجھ کر دوپہر بارہ بجے کے بعد اٹھتا ہے۔ ایک ڈیڑھ بجے ناشتا کرتا ہے۔ پھر نہا دھو کر سیر سپاٹے کو نکل جاتا ہے۔ محنت اور کسی کام میں اس کا دل نہیں لگتا۔ فطرت سے بہت دور جا چکا ہے اور غیر فطری زندگی گزارنے کا عادی ہو چکا ہے۔ راتوں رات دولت اکٹھی کرنے اور ارب پتی بن کر عیش پرستانہ زندگی بسر کرنے کے خواب دیکھتا رہتا ہے۔ اپنی کھوئی ہوئی میراث اور وقار کو واپس لینے کا اس کے ذہن میں کبھی خیال تک نہیں آتا۔ غرضیکہ ہماری قوم کے نوجوان غیر فطری زندگی میں غرق ہوتے جا رہے ہیں اور خوابِ خرگوش میں مدہوش ہوئے ہم سب کچھ برداشت کرتے جا رہے ہیں۔ اب کھلاڑیوں کی حفاظت کا بھی کوئی پروگرام نہیں ہے۔ ان کے معاشرتی رابطوں، غیر فطری سرگرمیوں، سیر سپاٹوں، شاپنگ اور رت جگوں کو بند ہونا چاہیے۔ وقت پر سوئیں، وقت پر اٹھیں۔ وقت پر انہیں مخصوص ورزشوں کے ذریعے ان کی باڈی کو فٹ کیا جائے۔ ہمارے کرکٹر مکمل فٹ اور صحت مند نہ ہونے کی وجہ سے ایسے کھیلتے ہیں کہ دو چار ٹھمرے لگائے، ذرا باڈی کو ڈانس کرنے والیوں کی طرح دائیں بائیں گھمایا اور واپسی کا ٹکٹ کٹوایا۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی! بہتر یہ ہے کہ قوم کو کرکٹ کا نام روشن کیا جائے اور کھلاڑیوں اور قوم کے ذہنوں میں اصلی اور محب وطن پاکستانیت، دین سے رغبت، سخت محنت کرنے کے چراغ روشن کیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو پاکستان سے سچی اور والہانہ محبت و الفت کا جذبہ عطا فرمائے۔

آمین! آمین!

وقفوھم انھم مسئولون

محمد صدیق

دنیا میں قوموں کی شکستہ دلی اور ان کے زوال کے کتنے ہی اسباب رہے ہوں لیکن ان اسباب کے درمیان ایک ہست کلیدی اور بنیادی سبب جو سب سے اہم ہے وہ نفسانی خواہشات کی تکمیل ہے ۔ جب انسان اللہ کے راستے سے دوری، علم سے غفلت اور جو بارِ امانت اس کے سپرد کی گئی تھی اس سے لاپرواہی اختیار کرتا ہے تو وہ نفسانی خواہشات کے گھیرے میں آ جاتا ہے پھر وہ مادیت کا اس قدر متوالا ہو جاتا ہے کہ اس کے دل و دماغ کو فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ خیر اور شر، حق اور ناحق میں تمیز کر سکے، اسے کے لیے اس کی خواہشات ہی اس کا خدا ہوتی ہے ۔ یہی خواہشات اس کو خدا کی کچہری میں پیش ہونے سے غفلت کا راستہ دیتی ہیں اور اس کو مرگ دم تک خبر ہی نہیں ہوتی ۔ مختصر یہ خواہشات دنیا و آخرت کی بہت ساری بلاؤں کا سبب بن جاتی ہیں ۔ یاد رہے کہ آخرت سے پہلے دنیا میں ہی ہر عمل کا ایک انجام ہوتا ہے لیکن خواہش انسان کی عاقبت اندیشی ختم کر کے اسے انجام دیکھنے سے اندھا کر دیتی ہے ۔ جبکہ عقل اور دین و مروت انسان کو ہر ایسی لذت و شہوت سے روکتے ہیں جن کا انجام ندامت و شرمندگی ہوتا ہے ۔

نفس پرستی ہدایت سے محرومی کا سبب

نفس پرستی حقائق کے صحیح ادراک جیسے ہدایت کے اہم ترین ذریعے کو انسان سے سلب کر لیتی ہے اور انسان کی آنکھوں اور عقل پر پردے ڈال دیتی ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (قصص 50)

”پھر اگر یہ لوگ آپ کا فرمان نہ مان سکیں تو جان لیجیے کہ وہ یقیناً اپنی خواہشات ہی کی پیروی کرنے والے ہیں اور اُس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا“۔

سید ریاض حسین شاہ لکھتے ہیں کہ خواہشات زندگی کا سراب اس قدر روشن کر کے دکھاتی ہیں کہ موت پردۂ فکر سے محو ہو جاتی ہے ۔ انسان تن من کو ہی خدا بنا لیتا ہے ۔ امیدوں کے سجے بازار سے کچھ ہاتھ لگے نہ لگے لیکن ”مطیع ھوی“ ہر آن ہر لحظہ جام جم نہ سہی تو جامِ سفال پر ہی قناعت کئے دستِ سوال دراز رکھتا ہے ۔ درونِ خانہ دل میں خواہشات کی جلتی بھٹیاں جب تک انسانی ضمیر کو جلا نہ دیں بجھنے کا نام نہیں لیتیں ۔ یہاں تک کہ موت کی دہلیز پر پہنچنے سے پہلے انسان ”اتباع ھویٰ“ اور پیروی خواہشات کے ہاتھوں غرق ہو چکا ہوتا ہے ۔

ناصر سعدی لکھتے ہیں کہ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کرتا اور اس قول کو اختیار کرتا ہے جو قول رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہو، وہ ہدایت کے راستے پر گامزن نہیں بلکہ وہ اپنی خواہشات نفس کے پیچھے لگا ہوا ہے ۔

نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والے کے کان اور دل پر مہر اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے اس نے ہدایت و نصیحت کو نہ سنا، نہ سمجھا اور نہ ہی حق کو دیکھا ۔ (تفسیر خازن)

مثلِ کلب

تفسیر تبصرہ کے مؤلف لکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے ایک مقام پر خواہشات کی اتباع کرنے والے کے لیے از حد نازک اور تنبیہہ خیز اسلوب اختیار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: خواہشات کی اتباع کرنے والے کی مثال کتے کی سی ہے ۔ اگر تم اسے چھیڑو تو بھی زبان باہر نکالے اور اگر چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رکھے ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ (اعراف:176)

”تو مثال اُس کتے کی مثال کی طرح ہے اگر تو اس پر بوجھ رکھے تو وہ زبان لٹکائے اور اگر تو اسے چھوڑ دے تو بھی زبان لٹکائے“۔

قرآن مجید بدفکر، بدعمل اور بدرویہ انسان کو ایک تمثیل میں اتارتا ہے تا کہ قرآنی افکار کی خوشبو سونگھنے والے کو وہ شخص نمایاں نظر آئے، جو حق پرستی کے ہٹ جاتا ہے، عہد الست کو فراموش کر دیتا ہے، سچائیوں کے گلستان سے نکل کر جھوٹ اور منافقت کے تپتے صحرا میں آ کھڑا ہوتا ہے ۔ عقل و فکر کے ظروف توڑ دیتا ہے اور حرص و آز کی وجہ سے حق فراموش بن جاتا ہے ۔

جہنم کا باڑھ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حفت الجنة بالمكاره، وحفت النار بالشهوات (مسلم)

”جنت ایسی چیزوں سے گھیر دی گئی ہے جو نفس کو ناگوار ہیں اور جہنم گھیر دی گئی نفسانی خواہشات سے“۔

شہوات سے مراد وہ امور ہیں جن کو بجالانے میں نفسِ انسانی لذت محسوس کرے اور اس کی خواہش کرے، جیسے حق سے انکاری، غیبت، جھوٹ اور دیگر لہو و لعب وغیرہ، یہ سب شہوات میں سے ہیں اور نفس ان کی طرف بری طرح مائل ہوتا ہے اور ان امور کے ارتکاب سے جہنم ملتی ہے، یعنی شہواتِ نفسانیہ سے آدمی جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے ۔

شیطانی عمل دخل کا مؤثر ترین راستہ

شیطان کے عمل دخل کا مؤثر ترین راستہ خواہشات کی اطاعت ہے کیونکہ جب تک انسان کے اندرونی

وجود میں شیطان کا ٹھکانا نہ ہو اس وقت تک وہ دلوں میں وسوسے پیدا نہیں کرسکتا اور وہ ٹھکانا نفس پرستی کے سوا اور کچھ نہیں، وہی چیز کہ خود شیطان جس کی وجہ سے اپنے مقام سے گرِ گیا اور فرشتوں کی صف اور قربِ الٰہی سے راندہ گیا۔

یاد رہے کہ نفسانی خواہشات ہی کے چور دروازے سے شیطان انسان پر داخل ہوتا ہے۔ انسان کے دل ودماغ، فکر ونظر اور اعمال کردار میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کے لیے شیطان دروازے کی تلاش میں رہتا ہے پھر جب اس کو خواہشات کا دروازہ کھلا مل جاتا ہے تو وہ اس میں داخل ہو کر تمام جسم میں زہر بھر دیتا ہے۔ (ابن قیم)

حق سے دوری

نفسانی خواہشات انسان کو حق سے دور کر دیتی ہیں اور اگر فیصلہ کرنے میں اس کی ملاوٹ ہو جائے تو حق تلفی پر اکساتی ہے، انسان کو ظالم بنا کر عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ کا انکار کروا دیتی ہے۔

امام شعبی فرماتے ہیں کہ: خواہش، خواہش پرست کو پستی میں گرا دیتی ہے۔ انجام کی فکر کے بغیر وقتی لذت کی طرف بلاتی اور فوری طور پر شہوت پوری کرنے کے لیے آمادہ کرتی ہے خواہ اس کی بنا پر دنیا و آخرت میں عظیم آلام ومصائب کا سامنا کرنا پڑے۔

ابو بکر وراق کا قول ہے: جب خواہش غالب آتی ہے دل کو تاریک کر دیتی۔ جب دل تاریک ہوتا ہے سینہ تنگ ہو جاتا ہے۔ جب سینہ تنگ ہو جاتا اخلاق برے ہو جاتے ہیں۔ جب اخلاق برے ہو جاتے ہیں تو مخلوق اسے ناپسند کرنے لگتی ہے اور وہ بھی دوسروں کو ناپسند کرنے لگتا ہے اور جب نوبت اس باہمی بغض و عداوت تک پہنچ جاتی ہے تو اس کے نتیجہ میں انتہائی شر و فساد اور ترکِ حقوق وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مادیت اور خواہشات نفسی کی تکمیل میں انسان حق سے دور ہو کر اس حد تک باؤلا ہو جاتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی پر اتر آتا ہے۔ دشمنانِ دین وملت کا سہرا سجائے شعائر اللہ اور شعائر رسول ﷺ ایسی نسبتوں کے تقدس کو پائمال کرنا اس کے سامنے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ایسے ہی مادیت پرست دشمنانِ دین وملت کا ہر دور میں ہدف رہا ہے کہ وہ حضور ﷺ اور آپ کی آل پاک کے ساتھ والہانہ وابستگی اور محبت ووارفتگی کو عُشاق کے دلوں سے نکال باہر کرنے کے لیے ان پر طعنہ زنیاں کرتے ہیں اور شکوک شبہات کا اظہار کرتے ہوئے ان کے وجود کو حضور ﷺ کی آل پاک کا حصہ ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ایسی باطل قوتیں کبھی نجدیت اور خارجیت کے روپ میں شانِ اہل بیت اور حضور ﷺ کے ناموس پر حملے کر دیتے ہیں کبھی سنیت کے لبادے میں خارجیت اور ناصبیت کا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات یہ خارجی اور ناصبی یزیدیت کو بھی پیچھے چھوڑ دیتے ہیں اور ناموسِ اہل بیت رسول کے جسدِ پاک کو گھائل کرنے کی لاحاصل کوشش کرتے ہیں اور بعض نام نہاد فضلاء اغیار کے ہاتھوں کھلونا بن کر ان کے ہاتھوں کو مضبوط کرنے کی ناکام کوشش کرنے میں مصروفِ عمل ہو کر ناصبیوں اور خارجیوں کا فضلہ اکٹھا کرنے کے لیے ساون کے مینڈکوں کی طرح ٹرٹرٹراں ٹراں کرتے ہوئے کونے کھدروں سے باہر نکل کر اپنے حرام وجود کو حلال بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

شائد وہ اس بات سے لاعلم ہیں کہ قرآن اور صاحبِ قرآن سے منہ موڑ کر انہوں نے مادی ارتقاء کی عمارت جن کھوکھلے اصولوں پر رکھی ہے وہ کسی بھی وقت ان کی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ اللہ کا فیصلہ قریب ہے سو تم اس بارے میں جلدی نہ کرو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُل لَّا اَسئَلُکُم عَلَیہِ اَجرًا اِلَّا المَوَدَّۃَ فِی القُربٰی (شوریٰ:23)

’’فرما دو! میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا الّا یہ کہ دوستی اور محبت رکھو میرے قرابت داروں کی‘‘۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اس آیت مبارکہ کا نزول ہوا کو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے قرابت دار کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے تو آپ نے فرمایا علی، فاطمہ، اور اس کے دونوں بیٹے حسن حسین۔ (طبرانی)

حضرت زید بن ارقم سے ایک طویل روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: دیکھو کہ تم دو بھاری چیزوں میں مجھے کیسے باقی رکھتے ہو ایک ندا دینے والے نے ندا دی یا رسول اللہ وہ دو بھاری چیزیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب جس کا ایک کنارا اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا کنارہ تمہارے ہاتھوں میں ہے پس اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور دوسری میری عترت ہے اور بے شک میرے رب نے مجھے خبر دی کہ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر آملیں اور ایسا میں نے اللہ سے ان کے لیے مانگا ہے پس تم لوگ ان پر پیش قدمی نہ کرو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ہی ان سے پیچھے رہو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ہی ان کو سکھاؤ کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں۔

ابوسعید خذری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ عَلٰى هٰذَا الْمِنْبَرِ: مَا بَالُ رِجَالٍ يَقُوْلُوْنَ إِنَّ رَحِمَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ لَا تَنْفَعُ قَوْمَه بَلٰى وَاللهِ، إِنَّ رَحِمِي مَوْصُوْلَةٌ فِي الدُّنْيَا وَالْأٰخِرَةِ (احمد بن حنبل)

’’میں نے رسول اللہ سے سنا آپ منبر پر کھڑے ہو کر فرما رہے تھے، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کی نسبت قیامت میں فائدہ نہیں دے گا، کیوں نہیں! بالکل فائدہ دے گا۔ ہاں اللہ کی قسم میرا نسبی رشتہ دنیا اور آخرت میں موصول ہے‘‘۔

ایک روایت میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

تَزْعُمُوْنَ أَنَّ قَرَابَتِي لَا تَنْفَعُ قَوْمِي. وَاللهِ، إِنَّ رَحِمِي مَوْصُوْلَةٌ فِي الدُّنْيَا وَالْأٰخِرَةِ (احمد بن حنبل)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم یہ گمان کرتے ہو کہ میری قرابت میری قوم کو نفع نہیں دے گی۔ اللہ کی قسم! یقیناً میرا رشتہ دنیا و آخرت میں برقرار رہے گا‘‘۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا خَلَا سَبَبِي وَنَسَبِي. كُلُّ وَلَدِ أَبٍ فَإِنَّ عُصْبَتَهُمْ لِأَبِيهِمْ مَا خَلَا وَلَدِ فَاطِمَةَ فَإِنِّي أَنَا أَبُوْهُمْ وَعُصْبَتُهُمْ (احمد بن حنبل)

’’ہر سبب اور نسبت قیامت کے دن منقطع ہو جائے گی مگر میرا سبب اور نسبت منقطع نہیں ہو گی اور تمام اولاد آدم کے لیے عصبہ

ان کے باپ ہیں مگر اولادِ فاطمہ کے لیے میں عصبہ اور باپ ہوں"۔

یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی کا نسب آپ کی اولاد کے لیے فائدہ بھی دے گا اور منقطع بھی نہیں ہوگا۔ دوسری جانب کئی نصوص ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نسبی تعلق کا فائدہ ان کے رشتہ داروں میں ایمان والوں کو ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول ہے:

"ہمارا لحاظ اس طرح کرو جیسے ان دو یتیموں کے لحاظ ان کے باپ صالح کی وجہ سے ہوا تھا"۔

ابن حجر مکی میں رقمطراز ہوتے ہیں:

"حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اولاد اور ذریت حضور ﷺ کے بیٹے ہیں اور آپ کی طرف وہ نسب صحیحہ کے ساتھ منسوب ہیں جو کہ دنیا اور آخرت میں ان کے لیے نافع ہیں۔ غرض کہ امام حسن اور امام حسین کی اولاد سادات ہیں اس کے سوا کوئی سید نہیں ہے"۔

(صواعق المحرقہ)

اسی طرح ولایت علی علیہ السلام کے بارے میں علامہ آلوسی "روح المعانی" میں اور ابن حجر "صواعق المحرقہ" اور دیگر کتابوں میں قرآن مجید کی آیت وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ (اور روک لو انہیں بے شک وہ باز پرس کیے جائیں گے) کی تفسیر میں متعدد ایسی روایات نقل کی ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ روز قیامت مجرموں سے جو سوال پوچھے جائیں گے ان میں سے ایک اہم سوال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولایت کے بارے میں ہوگا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

آدمی کا پاؤں قیامت کے دن اس کے ربّ کے پاس سے نہیں ہٹے گا یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے پوچھ لیا جائے: اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کہاں صرف کیا، اس کی جوانی کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا، اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا اور اس کے علم کے سلسلے میں کہ اس پر کہاں تک عمل کیا۔

آپ فرماتے ہیں ان سوالوں کے بعد ان کو روکا جائے گا (وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ) یہ سوال بھی ہوگا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولایت کے بارے میں کیا خیال ہے۔

ابن حجر مکی وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علی اور اہل بیت کی ولایت کے بارے سوال کیے جائیں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو حکم فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو بتا دیں کہ وہ تبلیغ رسالت پر رشتہ داروں کی محبت کے علاوہ کوئی اجر نہیں مانگیں گے۔

اور سوال کیے جانے کا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے نبی کی وصیت کے مطابق حق موالات ادا کیا ہے یا اسے ضائع کر دیا ہے اور اس کو ایک مہمل چیز کا گمان کیا ہے ان سے مطالبہ ہوگا اور سزا ملے گی اور نبی کریم ﷺ کی وصیت کے مطابق کے الفاظ میں ان احادیث کی جانب اشارہ فرمایا ہے جو کہ اس کے متعلق آئی ہیں اور وہ کثیر ہیں ان میں سے ایک حدیث مبارکہ مسلم میں زید بن ارقم سے روایت ہوئی کہ حضور ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میں تمہاری طرف ایک بشر ہوں، ہوسکتا ہے کہ میرے رب عزوجل کی طرف سے میرے پاس ایک قاصد آئے اور میں اس کے جواب دوں میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ان میں ایک تو اللہ کی کتاب ہے جس میں نور ہدایت ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی کتاب سے دلیل پکڑو اور اس کو مضبوطی سے تھام لو اور آپ نے اس کے بارے بڑی رغبت اور ترغیب دلائی"۔

پھر ارشاد فرمایا:

دوسرے میرے اہل بیت ہیں، میرے اہل بیت ہیں، میرے اہل بیت ہیں۔

آپ نے تین بار دہرایا۔

اسی طرح شیخ طوسی اپنی کتاب "امالی" میں انس بن مالک کے واسطے سے نقل کرتے ہیں:

جب قیامت قائم ہوگی اور پل صراط جہنم کے اوپر نصب کر دی جائے گی تو اس کو وہی شخص عبور کر پائے گا جس کے ہاتھ میں ایسا پروانہ ہوگا جس میں ولایت علی ابن ابی طالب ثبت ہو اور یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے:

وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ

معلوم ہوا کہ:

اہل بیت کی محبت عین اسلام اور عین ایمان ہے۔ اہل بیت سے محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے۔ اہل بیت کی محبت کے بغیر پل صراط عبور کرنا ناممکن ہوگا۔ اہل بیت کی محبت جس دل میں نہیں اس دل میں ایمان نہیں۔ اہل بیت کی محبت ہی حقیقی زندگی ہے۔

تفسیر تبصرہ کے مؤلف رہنمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ہر روز نئے نئے آقاؤں کے سنگ آستان تراشنا آذری ہے۔ کسی کی خواہش کو حاکم نہیں بنانا چاہیے۔ زندگی ہلکا پھلکا ہو کر گزارنی چاہیے۔ دل پر کسی کی خواہشات کا آسیب مستولی نہ ہونا چاہیے۔ "سچ بولو گرچہ ہو تمہارے ہی خلاف" لبِ آب جو لالہ ہو وہ سرخوش ہوتا ہے۔ کسی دھوکہ باز، مکار اور فسوں ساز کی خواہش پر عمل نہ ہونے پائے۔ سب سے حسین، سب سے خوبصورت اور سب سے روشن وہ ہی ستارہ ہوتا ہے جو بلندی پر چمکتا ہے۔

خوبصورت نصیحت آپ کے نام

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ان کے پدر کرم فرماتے ہیں:

بیٹا! بوسیدہ عمارات اور کھنڈرات میں جایا کرو۔ شکستہ اور پابریدہ گنبدوں کا نظارہ کیا کرو۔ ٹوٹی عمارات، بکھرے میناروں اور بوسیدہ گھروں کو دیکھ کر ان سے پوچھا کرو "کہاں چلے گئے یہاں کے رہنے والے"۔ ایک وقت تھا کہ یہاں پُررونق محفلیں سجتی تھیں، خوشیوں کی لہریں زندگی کے سمندر میں تموج پیدا کرتی تھیں۔ بیٹا! ان محلوں میں اور کھنڈروں رہنے والے لوگ کہاں چلے گئے؟ آپ کو آواز آئے گی وہ سب کے سب دھوکے کے گھر سے تنہائیوں کے گھر کی طرف نکل پڑے۔

(آتش حروف)

لہذا نفسانی خواہشات کو رد کریں اور کسی دھوکے باز اور مکار کی باتوں میں آ کر نئے نئے آقا و سردار نہ بنائیں جو حضور ﷺ نے بنائے ہیں اُنہی کے ساتھ ہو لیں بھلائی اور خیر اسی میں ہے:

فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ، اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔